حل یہاں ہے

مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ ، نئی دہلی

مطبوعات اسلامی مرکز

سال اشاعت ۱۹۸۴

قیمت Rs 5
Maktaba Al-Risala

ناشر : مکتبہ الرسالہ

سی - ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق حکومت سے اور اکثریتی طبقہ سے ہے۔ اور دوسرا پہلو وہ جس کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فسادات میں سیکڑوں آدمی مارے جاتے ہیں۔ کروڑوں روپے کی جائدادیں لوٹی اور جلائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے واضح طور پر یہ امن و نظم کا مسئلہ ہے۔ مگر اتنے بڑے پیمانہ پر جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ اور کبھی نقصان کرنے والوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ ملک کے قانون میں ان جرائم کے لئے باقاعدہ سزائیں مقرر ہیں۔ مگر یہ قانون کاغذ پر پڑا رہتا ہے اور فساد کے مجرمین پر ان کو نافذ نہیں کیا جاتا۔

جس حکومت کی نااہلی کا یہ حال ہو کہ اس کے دائرۂ اختیار میں مسلسل اتنے سنگین جرائم کئے جائیں پھر بھی وہ مجرمین کو سزا دینے میں ناکام رہے، وہ ایسا کر کے خود اپنی موت کے محضر نامہ پر دستخط کر رہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو لوگ اتنی بڑی نااہلی دکھائیں وہ ہمیشہ اقتدار سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ زیادہ دیر تک انتظام دنیا کے منصب پر باقی رہنا ان کے لئے مقدر نہیں۔

اکثریتی طبقہ کے پہلو سے سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وجہ کہ دو غیر مسلمان بازار میں لڑیں تو کبھی فساد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر لڑنے والوں میں ایک مسلمان اور ایک غیر مسلمان ہو تو فوراً فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑتا ہے۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ یہاں کسی معاملہ کو حق اور ناحق کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ معاملہ اپنے فرقہ کا ہے یا دوسرے فرقہ کا۔ یہ مزاج کسی گروہ کے لئے قاتل ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اس قسم کے ظالمانہ مزاج کی سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے، خواہ ایک صورت میں بھگتنی پڑے یا دوسری صورت میں۔

حکومت میں یا اکثریتی فرقہ میں اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اس طرح مسلمانوں کو مٹا دیں گے تو یقینی طور پر اس سے زیادہ بڑی بھول اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔

ہندستان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس کروڑ ہے۔ تاریخ میں کوئی مثال نہیں کہ اتنی بڑی تعداد کو ظلم و فساد کے ذریعہ مٹا دیا گیا ہو۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے فساد مسلمانوں کی زندگی کی سب سے بڑی ضمانت ہیں۔ کیوں کہ وہ ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں دینے کے بعد

اور زیادہ ابھرنے کا اصول رائج ہے۔ ان تخریب کاروں کی بدقسمتی یہ ہے کہ قانون قدرت ان کی راہ میں حائل ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی نے اپنی کتاب (اسٹڈی آف ہسٹری) میں دنیا کی ۲۱ تہذیبوں کا مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ تہذیبوں کو وجود میں لانے والی ہمیشہ وہ قومیں تھیں جو شکست اور محرومی سے دوچار کی گئیں (مثال کے طور پر مغرب کی مسیحی قومیں صلیبی جنگوں میں ذلت آمیز شکست کے بعد جدید صنعتی تہذیب کی خالق بنیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو محرومی اور شکست میں مبتلا کر کے ان کے خاتمہ کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ ایک ایسے نتیجہ کا انتظار کر رہے ہیں جو قانون قدرت کے مطابق ان کے اندازوں کے سراسر خلاف بالکل برعکس صورت میں ظاہر ہونے والا ہے۔

تاہم زیر نظر مجموعہ میں ہمارا خطاب نہ حکومت سے ہے اور نہ اکثریتی فرقہ سے۔ ہمارا خطاب یہاں تمام تر مسلمانوں سے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ اس تمام معاملہ کا ذمہ دار صرف اپنے آپ کو قرار دیں۔ وہ خود یہ ذمہ داری لیں کہ وہ اس ناگوار صورت حال کو یک طرفہ طور پر ختم کریں گے۔ اور یقیناً بہادر انسانوں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔

فسادات کو روکنے کی جو تدبیر اس کتابچہ میں درج ہے، راقم الحروف اس کو پچھلے بیس سال سے پیش کر رہا ہے۔ ۶۶-۱۹۶۵ میں ہفت روزہ ندائے ملت (لکھنؤ) کے کالموں میں۔ ۱۹۶۷ سے ۱۹۷۴ تک ہفت روزہ الجمعیۃ (دہلی) میں اور ۱۹۷۶ سے باقاعدہ طور پر ماہنامہ الرسالہ (نئی دہلی) میں۔ زیر نظر کتابچہ اسی ذیل کی ایک مزید کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

وحید الدین

۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء

یکطرفہ کارروائی کی ضرورت

ہندستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا سبب، خواہ کسی کے نزدیک جو بھی ہو، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فسادات اگر بند ہوں گے تو صرف اس وقت بند ہوں گے جب کہ مسلمان اپنے حصہ کا فساد بند کریں۔ مسلمان اپنے حصہ کا سبب ختم کرکے دوسرے کو آمادہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے حصہ کا سبب ختم کرے۔ ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات صرف یک طرفہ کارروائی سے بند ہوسکتے ہیں۔ اور یہ یک طرفہ کارروائی بہرحال مسلمانوں کو کرنی ہوگی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں یک طرفہ کارروائی پر راضی ہوکر قریش کی فسادانگیزیوں کا سلسلہ ختم کیا تھا۔ اسی طرح ہمیں بھی یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو پابند بنالینا ہے۔ اگر ہم دوسرے فریق کی طرف سے بندش کی کارروائی کا انتظار کریں تو ایسا انتظار کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

مسلمان فساد کو بند کرنے کے لئے کیا کریں، اس کا جواب صرف ایک ہے ــــــ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونا۔ تمام فسادات کا مشترک سبب یہ ہے کہ مسلمان اس راز کو نہیں جانتے کہ زندگی میں کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو نظرانداز کرنا پڑتا ہے۔ جس چیز کو نظرانداز کرنا چاہئے اس پر مسلمان بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ فساد ہوتا ہے۔

"ہندوستان" بالفرض "مسلستان" ہوتا تب بھی ہم کو یہی کرنا پڑتا۔ کچھ چیزیں ہر ماحول میں ایسی پائی جاتی ہیں جن میں الجھنے کے بجائے ان کو نظرانداز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان سے الجھنا ان کو اور بڑھانے کے ہم معنی ہے۔ یہ زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ اس سے کسی حال میں بچنا ممکن نہیں۔ اسی لئے قرآن میں صبر و اعراض کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

نظرانداز کرنے کے قابل باتوں کو نظرانداز نہ کرنا، یہ وہ غلطی ہے جس میں ہندستان کے مسلمان بھی مبتلا ہیں اور پاکستان کے مسلمان بھی۔ اس کی قیمت دونوں جگہ کے مسلمان شدید ترین صورت میں بھگت رہے ہیں۔ ہندستان کے مسلمان فرقہ وارانہ فساد کی صورت میں اس کی قیمت ادا کر رہے ہیں اور پاکستان کے مسلمان غیر مستحکم سیاسی نظام کی صورت میں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے فسادات کا واحد ڈاٹ یہی اعراض ہے۔ مسلمان اگر اس ڈاٹ کو استعمال کریں تو ایک دن میں تمام فسادات بند ہوجائیں۔ اور اگر مسلمان اس طریقہ پر راضی نہ ہوں

تو موجودہ تدبیروں سے آئندہ پچاس سال تک بھی فسادات بند نہ ہوں گے جس طرح پچھلے پچاس سال میں اس قسم کی تدبیروں کے باوجود فسادات بند نہیں ہوئے ہیں۔

ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات پر جب کوئی مسلمان بات کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ایک ہی چیز کی کوشش کرتا ہے ـــــ خالص قانونی اور منطقی جائزہ لے کر یہ دیکھنا کہ کون فریق حق پر ہے اور کون فریق ناحق پر۔ یہ طریقہ سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ بعض امور وہ ہوتے ہیں جن میں حق اور ناحق نہیں دیکھا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا واقعی حل کیا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو آپ نے اس کا مضمون املا کراتے ہوئے کاتب سے کہا:

اکتب ھذا ما قاضیٰ علیہ محمد رسول اللہ۔۔۔

(لکھو کہ یہ وہ ہے جو محمد اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا) قریش کے نمائندہ (سہیل بن عمرو) نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھئے۔ کیوں کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے۔ آپ نے فوراً کاتب سے کہا کہ اکتب محمد بن عبد اللہ (محمد بن عبد اللہ لکھو)۔

اگر آپ اس کو حق اور ناحق کا معاملہ بناتے تو کبھی اس مطالبہ کو ماننے پر راضی نہ ہوتے خواہ سارے مسلمان وہیں کٹ کر مر جائیں۔ مگر آپ نے اس کو حق اور ناحق کا مسئلہ نہیں بنایا بلکہ صرف اس کے عملی پہلو کو دیکھا۔ چوں کہ اس وقت عملی طور پر اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا اس لئے رسول اللہ کا لفظ چھوڑ کر صرف محمد بن عبد اللہ کا لفظ لکھنے پر راضی ہو گئے۔

فسادات کا مسئلہ بھی یقینی طور پر اسی قسم کے مسائل میں سے ہے۔ مذکورہ بالا سنت رسول کے مطابق ہمارے اوپر لازم ہے کہ اس میں حق اور ناحق کی بحث نہ کریں بلکہ صرف یہ دیکھیں کہ اس کا عملی حل کیا ہے۔ اور عملی طور پر اس کا جو ممکن حل ہے اس کو اختیار کر لیں۔ اگر مسلمان اس معاملہ میں حق اور ناحق کی بحث نہ چھوڑیں تو یقینی طور پر یہ ان کی نفسانیت کا ثبوت ہوگا نہ کہ حق پرستی کا۔ کیوں کہ حق پرستی خدا کے رسول کی سنت کو اختیار کرنے میں ہے نہ کہ کسی دوسرے طریقہ کو اختیار کرنے میں۔

مسلمان موجودہ زمانہ میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ کر برباد ہوتے رہے ہیں۔ ایسا کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جہاد کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ جس کے سامنے بڑا مقصد ہو وہ ہمیشہ چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ مسلمانوں نے چونکہ مقصدیت کھو دی ہے اس لئے وہ برداشت بھی کھوئے ہوئے ہیں۔ بے مقصد گروہ بن جانے کی بنا پر

اب ان کے اندر یہ طاقت باقی نہیں رہی کہ وہ چھوٹی چھوٹی ناگواریوں کو بھلا دیں تاکہ وہ بڑے نشانہ کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھ سکیں۔

ہندستان کے فسادات مسلمانوں کے دینی بگاڑ کی قیمت ہیں۔ خدا کا بھیجا ہوا دین اگرچہ ایک ہے مگر مسلمانوں کی عملی زندگی میں آکر اسلام کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔ ایک فخر والا اسلام۔ دوسرا، تواضع والا اسلام۔ دینی بگاڑ دراصل اسی فخر والے اسلام کا دوسرا نام ہے۔

مسلمان جب سچے اسلام پر ہوتے ہیں تو ان کے اندر تواضع والا اسلام پرورش پاتا ہے۔ اللہ کا ڈر ان سے بڑائی کا مزاج چھین لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے غیر ضروری ٹکراؤ اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسری قومیں جب قرآن کے الفاظ میں، حمیۃ جاہلیہ کا مظاہرہ کرتی ہیں تو ان کا تقویٰ انھیں سراپا تواضع بنا دیتا ہے۔ حمیت جاہلیۃ کی آگ کے لئے مسلمانوں کا تقویٰ پانی کا کام کرتا ہے اور فساد ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جب مسلمانوں کے اندر سے تقویٰ رخصت ہو جائے تو ان کے اندر فخر والا دین ابھرتا ہے۔ فخر والا اسلام آدمی کے اندر بڑائی کی نفسیات پیدا کرتا ہے۔ اسی نفسیات کا نتیجہ وہ تمام اختلافات ہیں جو آج مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جب ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھنے لگے تو اتحاد ممکن نہیں۔ اتحاد کا واحد راز یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے آپ کو چھوٹا کرنے پر راضی ہو جائیں۔ مگر جہاں ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہو وہاں اتحاد کیسے پیدا ہوگا۔

یہی فخر اور بڑائی کی نفسیات جب دوسری قوموں کے مقابلہ میں آتی ہے تو وہ فساد کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری قوموں کے لئے ان کا مذہب یا ان کی قومی تہذیب ہمیشہ فخر ہی کی چیز ہوتی ہے۔ اب اگر مسلمانوں کے لئے بھی ان کا دین فخر کی چیز بن جائے تو دونوں کا نباہ مشکل ہو جائے گا۔ کیوں کہ دو فخر کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آپ آگ کو پانی سے ٹھنڈا کر سکتے ہیں مگر آگ کو آگ سے ٹھنڈا نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمانوں سے اگر باہمی اختلاف اور دوسری قوموں سے فساد کو ختم کرنا ہے تو مسلمانوں کے اندر سے فخر والا اسلام ختم کرنا ہوگا۔ اور اس کے بجائے ان کے اندر تواضع والا اسلام لانا ہوگا۔ اگر مسلمان اس پر راضی نہیں ہیں تو انھیں دوسروں کو ملزم ٹھہرانے کا سلسلہ بھی ختم کر دینا چاہئے کیوں کہ دوسروں کی طرف سے ان کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ اسی بگڑے ہوئے دین کی قیمت ہے جس پر وہ اپنے دور زوال میں آج قائم ہیں۔

بنیادی بات

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ تم کو جو بھی دکھ پیش آتا ہے وہ خود تمہارے سبب سے ہوتا ہے (وما اصابك من سيئة فمن نفسك، النساء ۷۹) دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ خود تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے (وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم، الشوریٰ ۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کا نظام خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں کسی کو دوسرے کے اوپر کوئی اختیار نہیں۔ یہاں ہر آدمی یا ہر گروہ خود اپنے ہی عمل کا انجام بھگتتا ہے۔ آدمی پر جب بھی کوئی مصیبت پڑے تو اس کو چاہئے کہ اس کا سبب وہ باہر نہ تلاش کرے۔ بلکہ خود اپنے اندر ڈھونڈ کر نکالے۔ کیوں کہ اس کا سبب یقینی طور پر خود اس کے اپنے اندر موجود ہوگا۔

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی دو واضح مثالیں موجود ہیں۔ ایک غزوۂ احد (۳ھ) کی شکست اور دوسرے غزوہ حنین (۸ھ) میں پیش آنے والا زبردست نقصان۔ قرآن میں ان دونوں غزوات کا ذکر ہے اور دونوں میں یہ انداز ہے کہ اسلام دشمنوں کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے خود مسلمانوں پر اس کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

احد کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ تمہاری کمزوری، تمہارا آپس کا اختلاف اور تمہارا مرکزی قیادت کی نافرمانی کرنا، یہ اسباب تھے جنھوں نے تم کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں شکست سے دوچار کیا (آل عمران ۱۵۲) اسی طرح حنین کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس موقع پر تم کو جس بربادی سے سابقہ پیش آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ تمہارے اندر گھمنڈ پیدا ہو گیا۔ یہاں بھی سبب مسلمانوں کے اپنے اندر بتایا گیا نہ کہ ان کے باہر (التوبہ ۲۵)

ان دونوں حادثات میں پوری طرح یہ ممکن تھا کہ ان کی ساری ذمہ داری قریش پر ڈالی جاتے اور ان کو یک طرفہ طور پر برا بھلا کہا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب ان حادثات پر تبصرہ کیا تو ان کی ساری ذمہ داری صرف مسلمانوں کے اوپر ڈال دی۔ یہ مثال ہمیشہ کے لئے بتا رہی ہے کہ اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کا ذہن کیا ہونا چاہئے۔ یہ کہ وہ دوسروں کی سازشوں کا انکشاف کرنے کے بجائے خود اپنا احتساب کریں۔ وہ اپنی کمزوریوں کو دور کرکے اپنے حریف کے اوپر فتح حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اس موضوع کی مزید وضاحت کے لئے یہاں ہم خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا ایک مکتوب نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے ایک ماتحت افسر کے نام روانہ کیا تھا:

یروی ان عمر بن عبد العزیز بعث برسالة الیٰ منصور بن غالب حین بعثہ علی قتال اھل الحرب جاء فیھا: ھٰذا ما عھد بہ عبد اللہ (عمر بن عبد العزیز) امیر المومنین الیٰ منصور بن غالب حین بعثہٗ الیٰ قتال اھل الحرب۔ امرہ فی ذالك بتقوی اللہ علی کل حال نزل بہ من امر اللہ تعالیٰ فان تقوی اللہ من افضل العدة وابلغ المکیدة واقوی القوة وامرہ الا یکون من شئ من عدو اشد احتراسا منہ لنفسہ ومن معہ من معاصی اللہ فان الذنوب اخوف عندی علی الناس من مکیدة عدوھم وانما نعادی عدونا وننصر علیھم بمعصیتھم ولولا ذالك لم یکن لنا قوة بھم لان عددنا لیس کعددھم ولا عدتنا کعدتھم فلو استوینا نحن وھم فی المعصیة کانوا افضل منا فی القوة والعدد فان لا ننصر علیھم بحقنا لا نغلبھم بقوتنا ولا تکونوا لعداوة احد من الناس احذر منکم لذنوبکم۔

روایت ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے منصور بن غالب کے نام ایک خط روانہ کیا جب کہ انھوں نے ان کو اہل حرب کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں لکھا کہ تم ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہو۔ کیونکہ اللہ کا تقویٰ (ڈر) سب سے بہتر تیاری اور سب سے کامیاب تدبیر ہے اور سب سے بڑی قوت ہے۔ دشمن سے بچنے کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز اپنے گناہوں سے بچنا ہے۔ کیوں کہ گناہ میرے نزدیک دشمن کی چالوں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ہم دشمنوں پر ان کی گنہ گاری کی وجہ سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہم کو کوئی قوت ان کے اوپر نہ رہے۔ کیوں کہ ان کی تعداد اور ان کی تیاری ہم سے زیادہ ہے۔ پھر اگر ہم اور وہ دونوں گنہ گاری میں برابر ہو جائیں تو وہ ہم سے طاقت اور تعداد میں برتر ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں ہم اپنی موجودہ قوت کے ساتھ ان پر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور تم کسی کی عداوت سے جتنا ڈرتے ہو اس سے بھی زیادہ خود اپنے گناہ سے ڈرو۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کی ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کی ناکامی کا سبب ہمیشہ اس کے اپنے اندر ہوتا ہے نہ کہ اس کے باہر۔

بنیادی بات یہ ہے کہ یہ دنیا خدا کی دنیا ہے نہ کہ انسان کی دنیا۔ یہاں انسان کو صرف اپنے آپ پر اختیار حاصل ہے۔ کسی بھی فرد یا قوم کو کسی دوسرے فرد یا قوم کے اوپر کوئی اختیار حاصل نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جب بھی کسی کو کچھ ملتا ہے تو وہ اس کو خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ خواہ بظاہر وہ کسی اور کے ذریعہ اسے پہنچا ہو۔ اسی طرح یہاں جب بھی کسی سے کچھ چھنتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے چھنتا ہے، خواہ بظاہر اس کا چھیننے والا کوئی دوسرا دکھائی دیتا ہو۔ اس لئے عقلمند وہ ہے جو دونوں حالتوں

میں خدا کی طرف رجوع کرے۔

مسلمانوں کو موجودہ زمانہ میں دوسری قوموں سے جس ظلم کا تجربہ ہو رہا ہے اس کے سلسلے میں عام طور پر وہ ایک ہی کام کرنے میں مشغول ہیں۔ اور وہ ہے "ظالم قوموں" کے خلاف چیخ و پکار۔ یہ سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔ جب ہر ہونے والا واقعہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے تو یقیناً یہ واقعہ بھی خدا کی طرف سے پیش آرہا ہے۔ اس لئے اس کا تاثر صرف یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ خدا کے معاملہ میں ان سے کون سی کوتاہی ہوئی ہے جس کی انھیں یہ سزا مل رہی ہے۔ تاکہ اپنی کوتاہی کی اصلاح کرکے وہ دوبارہ اپنے آپ کو خدا کی عنایات کا مستحق بنا سکیں۔

اگر آپ پر پتھر اوپر کی طرف سے آرہے ہوں اور آپ اس کا سبب نیچے کی طرف تلاش کرنے لگیں تو آپ کبھی بھی اپنے آپ کو پتھر کی بارش سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

بھیونڈی: ایک مثال

مئی ۱۹۸۴ میں بھیونڈی میں اور بمبئی کے علاقہ میں فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ اس کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ٹائمس آف انڈیا (۲۱ مئی ۱۹۸۴) نے اپنے صفحہ اول کے اداریہ میں لکھا کہ یہ زمین کے اوپر جہنم بنانے کے ہم معنی ہے:

It is materialisation of hell on earth.

بیان واقعہ

مہاراشٹر کی ایک انتہاپسند تنظیم ہے جس کا نام شیوسینا ہے۔ اس کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے نے ۲۱ اپریل ۱۹۸۴ کو بمبئی میں چوپاٹی کے مقام پر ایک تقریر کی۔ ملک کی کسی نیوز ایجنسی نے اس تقریر کو نشر نہیں کیا۔ اور نہ کسی بڑے اخبار نے اس کی رپورٹ شائع کی۔ بعض مقامی نوعیت کے مرہٹی اخبارات میں اس کی رپورٹنگ ہوئی۔ تاہم یہ بھی زیادہ اشتعال انگیز نہ تھی۔ البتہ بنگلور کے اردو اخبار نشین (۵ مئی ۱۹۸۴) نے اس کی جو رپورٹ شائع کی وہ مسلمانوں کے لئے کافی اشتعال انگیز ثابت ہوئی۔ بعد کو بمبئی کے اخبار عالم (۱۳ مئی ۱۹۸۴) نے اس کو تیز و تند سرخیوں کے ساتھ نقل کیا۔ اس کے بعد حسب عادت اردو اخبارات میں اس پر پرشور تبصرے شائع ہونا شروع ہوئے۔ اردو اخبارات کا کہنا تھا کہ بال ٹھاکرے نے قرآن اور پیغمبر اسلام پر توہین آمیز بیانات دئے ہیں جن کو مسلمان برداشت نہیں کرسکتے۔

اس درمیان میں ۳ مئی ۱۹۸۴ کو بھیونڈی میں شیوجینتی کا جلوس نکلا۔ یہ جلوس ۱۹۷۰ میں بھیونڈی کے فساد کے بعد بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۴ سال کے بعد شیوسینا کے لیڈروں نے حکومت سے اجازت لینے میں کامیابی حاصل کرلی اور ۳ مئی کو اس کا جلوس نکالا گیا۔ اس جلوس پر مسلمانوں کو اعتراض تھا۔ تاہم حکومت نے اس موقع پر پولیس کا زبردست انتظام کیا اور جلوس خیریت کے ساتھ ختم ہوگیا۔

مسلمانوں کے اندر برہمی کی فضا نے موقع پیدا کیا۔ اب ایک مسلمان لیڈر مسٹر اے آر خان اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی قیادت میں ۱۱ مئی ۱۹۸۴ کو مسلمانوں کا ایک غصہ میں بھرا ہوا جلوس نکلا۔ شیوسینا کے خلاف یہ جلوس پربھنی میں نکالا گیا۔ اس موقع پر جوشیلی تقریریں ہوئیں۔ مزید یہ کہ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے کی مورت بنا کر اس پر پرانے چپلوں کا ہار پہنایا گیا۔

اسی فضا میں شب برات (۱۶ مئی) کو مسلمانوں نے اسلام کی عظمت کے دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ بھیونڈی کی سڑکیں اور گلیاں جن کی گندگی کو ختم کرنے کے لئے مسلمانوں میں کبھی جوش پیدا نہیں ہوا تھا

ان کو سبز جھنڈوں سے پاٹنے کے لئے ان کا اسلامی جوش ابھر آیا۔ جھنڈے کا جہاد یہاں تک پہنچا کہ پر جوش مسلمانوں نے ایک مقام پر جہاں پہلے سے شیوسینا کا جھنڈا لگا ہوا تھا وہاں سبز جھنڈا لہرا دیا جو ان کے خیال کے مطابق اسلامی جھنڈا تھا۔

اسی اشتعال کی فضا میں شیوسینا کے لیڈروں نے ۱۶ مئی ۱۹۸۴ کو "بمبئی بندھ" منایا۔ بمبئی بندھ نے اشتعال کو آخری حد تک پہنچا دیا اور ۱۷ مئی ۱۹۸۴ کو بھیونڈی میں فساد پھوٹ پڑا جو بالآخر تھانہ اور بمبئی وغیرہ کے علاقوں تک پھیل گیا (ضمیمہ ٹائمس آف انڈیا ۳ جون ۱۹۸۴ اور دوسرے اخبارات)

یہ فساد اتنا شدید تھا کہ اندازہ ہے کہ چند دنوں کے اندر ایک ارب روپیہ سے بھی زیادہ کا مالی نقصان ہو گیا۔ جانی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ وہ صرف اس وقت رکا جب کہ فوج نے آکر مداخلت کی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس فساد کا نقصان زیادہ تر یک طرفہ تھا۔ حدیث میں مومن کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایسا اقدام نہیں کرتا جس سے نکلنے کی اس کے اندر طاقت نہ ہو اور بالآخر خود ذلیل ہونا پڑے (لیس للمومن ان یذل نفسہ ، ای یعرضہا من البلاء مالا طاقۃ لہ بہ) مگر یہاں مسلمانوں نے ایسا اقدام کیا جس میں وہ چھری کے مقابلہ میں خربوزہ ثابت ہوئے۔ جو مسلمان اس قسم کے غیر مسلمانہ افعال میں مبتلا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی اسلامیت کو کس خانہ میں رکھا جائے۔

فساد کا جائزہ

اس فساد کا جائزہ لینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قومی طریقہ اور دوسرا اسلامی طریقہ۔ قومی طریقہ وہی ہے جس کا مظاہرہ مسلمانوں کے تمام اصاغر و اکابر ایسے مواقع پر کرتے ہیں اور اس بار بھی کر رہے ہیں۔ اس حادثہ کے بعد مسلمانوں کی تمام زبانیں ایک ہی بات بول رہی ہیں اور ان کے تمام قلم ایک ہی بات لکھ رہے ہیں۔ اور وہ ہے شیوسینا کو (یا انتظامیہ کو) یک طرفہ طور پر تمام بربادیوں کا ذمہ دار قرار دینا۔ قومی طریقہ یہ نہیں دیکھتا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ وہ صرف اپنی قوم اور غیر قوم دیکھتا ہے۔ اور جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہوئے دوسری قوم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جس کو حدیث میں عصبیت کہا گیا ہے اور عصبیت سراسر باطل ہے۔

دوسرا طریقہ اسلام کا طریقہ ہے۔ اسلام کا طریقہ اصولی ہے نہ کہ قومی۔ اسلامی طریقہ کو جب ہم اس واقعہ پر استعمال کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی شکایت تھی جس پر برہم ہو کر مسلمانوں نے ہنگامہ کیا اور شیوسینا کے لیڈر کی مورت بنا کر اس کو پرانے چپلوں کا ہار پہنایا۔ وہ شکایت مسلمانوں کے بیان کے مطابق، یہ تھی کہ شیوسینا کے لیڈر نے قرآن کو بند کرنے کا مطالبہ کیا اور پیغمبر اسلام

کی شان میں گستاخی کی مگر واقعات بتاتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط تھا۔ بال ٹھاکرے نے ایسی بات سرے سے کہی نہیں۔

شیو سینا کا لیڈر بمبئی میں موجود تھا۔ مگر نہ مسلمانوں کا کوئی وفد فساد سے پہلے اس سے تحقیق کی غرض سے ملا۔ نہ کسی نے ٹیلیفون کرکے دریافت کیا۔ مسلمانوں کے وہ نام نہاد لیڈر جو فساد کے بعد خوب متحرک ہوجاتے ہیں وہ فساد سے پہلے اس کی تحقیق کے لیے بالکل متحرک نہیں ہوئے۔ جو ہوا وہ صرف یہ کہ بمبئی کی یہ خبر بنگلور کے ایک اردو اخبار میں شائع ہوئی جو سستی صحافت اور سنسنی خیزی کے لئے مشہور ہے۔ بس اس کا اردو اخبار میں چھپنا تھا کہ مسلمانوں نے اس کو بڑھا چڑھا کر نقل کرنا شروع کر دیا اور چند دنوں کے اندر فضا اس قدر گرم ہوگئی جس کا دوسرا نتیجہ لازماً فساد تھا۔

بال ٹھاکرے کا انٹرویو

فساد کے بعد دہلی کے انگریزی میگزین لنک (LINK) کے نمائندے نے مسٹر بال ٹھاکرے سے ملاقات کی اور ان سے ایک انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ٹیپ کی مدد سے میگزین مذکور کے ۳ جون ۱۹۸۴ کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ اس انٹرویو کا ضروری حصہ یہاں ایک صفحہ پر اصل الفاظ میں دیا جارہا ہے۔

اس انٹرویو میں مسٹر بال ٹھاکرے نے مذکورہ دونوں الزامات کی صحت سے قطعی انکار کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ سراسر غلط ہے کہ میں نے قرآن کو بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے اس سے بھی انکار کیا کہ انھوں نے پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ انھوں نے کہا کہ میری تقریر کا ٹیپ موجود ہے۔ کوئی بھی شخص اس کو سن سکتا ہے۔

مسٹر بال ٹھاکرے نے بتایا کہ انھوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ اس کے برعکس میں نے پیغمبر صاحب کی تعریف کی اور ان کا ایک واقعہ بیان کیا۔

اس موقع پر مسٹر ٹھاکرے نے جو بات کہی وہ ان کے الفاظ میں یہ تھی ـــــ میری تقریر کا ٹیپ موجود ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی پیغمبر اسلام کے خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کی ایک مثال پیش کی تھی۔ وہ یہ کہ ایک بار پیغمبر صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک ہندو وہاں آیا اور مسجد کی ایک دیوار پر تھوک دیا۔ شاگرد چلائے کہ "مارو مارو" مگر پیغمبر صاحب نے ان کو غصہ ہونے سے روکا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بالٹی پانی لے کر دھو دیا۔ ہندو یہ دیکھ کر شرمندہ ہوا۔ پیغمبر صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ دیکھو، یہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے ہمیں لوگوں کے اوپر فتح حاصل کرنا چاہئے۔ مگر آج مسلمانوں میں اس قسم کی برداشت کہاں ہے"

Q. Some of the Urdu papers have alleged that you have demanded a ban on Quran.

A. No, this is totally incorrect. I am not anti-Muslim.

Q. It is said that you used derogatory words against Prophet Mohammad.

A. This is another blatant lie. My speeches were tape recorded. There was not a word against the Prophet. Actually I gave his example. This is what I said in my speech: Once the Prophet was sitting in his mosque with his disciples. A Hindu came there and spit on one of the walls of the mosque. The disciples shouted, "Maro, Maro". But the Prophet stopped them from becoming violent. Then he washed the wall with a bucket full of water. The Hindu felt ashamed. And that is how we should win people, he told his disciples. But where is that kind of tolerance in this community now.

Q. It is said that the speeches that you made were inflammatory.

A. It's a matter of interpretation. I wanted to ventilate my grievances. Hindu grievances. If we want to organise a meeting or want to take out a procession, it is prohibited. The Shiv Jayanti procession (in Bhiwandi) was allowed after 14 years . Everyone cares for their (Muslims) feeling. What about our sentiments? As if we don't have any emotions; we are not human beings. As if we are not supposed to discuss our religion. Treat all religions at par. Why mosques alone should have special permission to use loudspeakers? Which religion preaches to disturb somebody? Hindu temples don't use loudspeakers.

Now they (Muslims) are asking for more concessions. It is indeed disturbing. After all this country belongs to us. Whoever wants to stay here can stay as brothers. We're not going to put any restrictions. But to call them minorities and give them special concessions will spoil the very unity of the country. I am not telling anything to my followers. I am not asking them to burn or hate this community. But the way they are working is generating hatred.

Q. How do you think the communal riots can be stopped?

A. Ask them (Muslims) not to attack us. And there will be no retaliation. We do not attack; we only retaliate. We will retaliate if they attack.

Excerpts from interview with the Shiv Sena leader, Bal Thackeray, appeared in the weekly Link June 3, 1984

شیوسینا کے لیڈر نے جو واقعہ بیان کیا، وہ اصلاً ایک صحیح واقعہ ہے۔ البتہ اس کو بیان کرنے میں ان سے کچھ جزئی غلطیاں ہوگئی ہیں۔ ان غلطیوں کو گستاخی نہیں کہا جا سکتا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ واقعہ کی صحیح روایت بتا کر ان کی تصحیح کر دیں۔ ذیل میں ہم واقعہ کی اصل روایت درج کرتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال: بال اعرابیٌّ فی المسجد فقام الناس الیہ لیقعوا فیہ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: دَعُوہُ واریقوا علی بولہ سجلا من ماءٍ او ذَنُوباً من ماءٍ فانما بعثتم مُیَسِّرِینَ ولم تبعثوا معسّرین (رواہ البخاری فی کتاب الوضوء)

امام بخاری حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول (یا چند ڈول) ڈال دو۔ کیوں کہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تم مشکل پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔

مسٹر بال ٹھاکرے کا انٹرویو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی بات کہنے میں منافقت کا طریقہ نہیں اختیار کیا ہے بلکہ اپنا خیال صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ان کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان ان کے جلوس پر کیوں اعتراض کرتے ہیں جس کی وجہ سے شیو جینتی کا جلوس چودہ سال تک قانوناً بند رہا۔ اگر مسلمانوں کے کچھ جذبات ہیں تو کیا ہمارے جذبات نہیں ہیں۔ کیا ہم انسان نہیں ہیں۔ ہم اپنے مذہب پر یا اپنی تاریخ پر بولیں تو مسلمانوں کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے جب پاکستان کے نام سے اپنا بٹوارہ کر لیا تو اس کے عین منطقی نتیجہ کے مطابق ہندستان ہندو ملک ہے۔ جو کوئی یہاں رہنا چاہے وہ بھائی بن کر یہاں رہ سکتا ہے۔ ہم کسی پر کوئی پابندی لگانا نہیں چاہتے۔ میں اپنے پیروؤں سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اس فرقہ کو ماریں یا اس سے نفرت کریں۔ مگر مسلمانوں کا جو طریقہ ہے اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ فرقہ وارانہ فساد بند ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ہمارے خلاف حملہ کرنا چھوڑ دیں اور پھر ان کے خلاف کارروائی نہیں ہوگی۔ ہم حملہ نہیں کرتے ہم صرف بدلہ لیتے ہیں۔ اگر وہ حملہ کریں تو ہم ضرور بدلہ لیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے نے خود ہمارے رسول کی ایک حدیث یاد دلا کر ہم کو ہر قسم کے فساد پر فتح حاصل کرنے کا قیمتی راز بتایا تھا۔ مگر ذہنی بگاڑ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم نے اس کو بھی اپنے خلاف ایک نیا شدید تر فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ کیسا عجیب ہے یہ طریقہ جس کے مطابق ہم دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔

فساد کی جڑ

مسلمان اس قسم کی نادانیاں کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی فخر کی نفسیات ہے۔ مسلمانوں پر جب بھی زوال کا دور آتا ہے تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کے اندر فخر کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے۔ امت کا زوال دراصل نام ہی اس بات کا ہے کہ دین ان کے یہاں ذمہ داری کی سطح پر نہ رہے بلکہ فخر کی سطح پر پہنچ جائے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو وہ ان کو سلام کرکے الگ ہوجاتے ہیں۔ (الفرقان ۶۳) مگر امت پر جب گراوٹ کا دور آتا ہے تو اس کے اندر بالکل برعکس مزاج پیدا ہوجاتا ہے۔ اب اس کے افراد کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی تعلیمات کا چرچا اپنی بڑائی جتانے کے لئے کرتے ہیں نہ کہ حقیقۃً عمل کرنے کے لئے۔

وہ سر اٹھاکر کہیں گے کہ صرف ہمارا دین ایک ایسا دین ہے جس میں خالص توحید پائی جاتی ہے۔ مگر عین اسی وقت اپنی زندہ اور مردہ شخصیتوں کی پرستش میں مبتلا ہوں گے۔ وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ اسلام میں کامل مساوات پائی جاتی ہے مگر اپنے معاملات میں سراسر غیر مساوی سلوک جاری رکھیں گے۔ وہ جوش وخروش کے ساتھ یہ اعلان کریں گے کہ ہمارا دین حکم دیتا ہے کہ تم مفتاح للخیر، مغلاق للشر (بھلائی کا دروازہ کھولنے والے اور برائی کا دروازہ بند کرنے والے) بنو مگر جب خدا کا کوئی بندہ اس حکم کو خود ان کی ذات پر استعمال کرتے ہوئے ان کے کسی غلط رویہ پر تنقید کردے تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کے دشمن بن جائیں گے۔

وہ اپنے پیغمبر کے اعلیٰ کردار کو بیان کرتے ہوئے پر فخر طور پر کہیں گے کہ وہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہیں ہوئے مگر خود ہر خلاف مزاج بات پر بھڑ اٹھیں گے اور کہیں گے کہ جب اشتعال پیدا کیا جائے تو ہم کیسے نہ مشتعل ہوں۔ دوسرے ادیان کو کمتر ثابت کرنے کے وقت وہ زور وشور کے ساتھ کہیں گے کہ ہمارے رسول پر پیغمبری ختم ہوگئی۔ مگر اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو دوسری قوموں تک پہنچانے سے وہ اس قدر غافل ہوں گے جیسے کہ اس کام کے لئے انھیں کسی نئے رسول کی آمد کا انتظار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی نفسیات ہر قسم کے فساد کی اصل جڑ ہے۔ جب دین فخر کا عنوان بن جائے تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر وہ مزاج پیدا ہوتا ہے جس کو جھوٹا احساس برتری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ہر حال میں صحیح سمجھنے لگتے ہیں اور دوسرے کو ہر حال میں غلط۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ سراسر غیر حقیقت پسندانہ رویہ ہوکر رہ جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ دوسروں کی غلطیوں کا خوب چرچا کریں گے مگر خود اپنی غلطی

ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ وہ اس طرح رہیں گے جیسے کہ انھیں سب کچھ کرنے کا حق ہے۔ اور ان کے سوا جو لوگ ہیں انھیں کچھ بھی کرنے کا حق نہیں۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اس مزاج کے ساتھ دوسروں کے درمیان رہنا چاہیں وہ کبھی معتدل طور پر دوسروں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ان کا وجود خدا کی زمین پر صرف فساد پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ ان کے ذریعہ یہاں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس مزاج کے ساتھ دنیا میں رہنا گویا خدا کی دنیا میں گندگی بکھیرنا ہے جب کہ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گندگی ہو جائے تو اس کو تحلیل (Decompose) کرکے دوبارہ اس کو پاکی میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس طرح رہنا خدا کی دنیا میں غیر خدائی طریقہ پر رہنا ہے۔ اور جو لوگ خدا کی دنیا میں غیر خدائی طریقہ پر رہنا چاہیں وہ آخر کامیاب ہوں گے تو کس طرح کامیاب ہوں گے۔

قرآنی حل

آج ہر مسلمان قرآن کے فضائل سے واقف ہے۔ مگر لوگ صرف فضائل تلاوت سے واقف ہیں۔ فضائل اتباع سے کوئی واقف نہیں۔ حالاں کہ قرآن کے سب سے زیادہ فضائل و کمالات وہ ہیں جو قرآن کے اتباع میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ مگر یہ حل اسی کے لئے کارآمد ہے جو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر اس کو اختیار کرنے پر راضی ہو۔

یہاں قرآن سے متعلق چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

عن عثمان بن عفان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خیرکم من تعلم القرآن وعلّمه (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور اس کو سکھائے۔

عن عمر بن الخطاب ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان الله یرفع بهذا الکتاب اقواما ویضع به آخرین (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلند کرے گا اور کچھ دوسرے لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گرائے گا۔

عن عبد الله بن عمر قال: نزل جبریل علیه السلام علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاخبره انها ستکون فتن قال فما المخرج منها یا جبریل۔ قال کتاب الله، فیه نبأ ما قبلکم ونبأ ما هو کائن بعدکم۔ وهو الشفاء النافع عصمة لمن تمسك به ونجاة لمن اتبعه۔ (جامع الاصول فی احادیث الرسول الجزء الثامن، صفحہ ۴۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت جبریل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آئے۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبریل پھر اس سے نکلنے کی صورت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ خدا کی کتاب۔ اس میں پہلے کی خبریں ہیں اور جو بعد کو ہونے والا ہے اس کی بھی خبریں ہیں۔ وہ نفع بخش شفا ہے جو اس کو پکڑے اس کے لئے حفاظت ہے اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لئے نجات ہے۔

اس قسم کی احادیث بتاتی ہیں کہ ہر مسئلہ جو مسلمانوں کے لئے کسی بھی زمانہ میں یا کسی بھی حالات میں پیدا ہو اس کا یقینی حل یہ ہے کہ قرآن کی پیروی کی جائے۔ قرآن کے حکم پر چلنے میں مسلمانوں کے لئے حفاظت کا سامان ہے اور ہر فتنہ سے ان کے لئے نجات کی ضمانت ہے۔

اس سلسلہ میں جب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو اس میں ہم کو یہ اصولی اور بنیادی رہنمائی ملتی ہے کہ ــــــ
بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں۔ تم جواب دینے کا وہ طریقہ اختیار کرو جو بہتر ہو۔ پھر یکایک تمہارا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے کہ وہ تمہارا قریبی دوست ہو (حم سجدہ ۳۴)

اس آیت کی تشریح میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا :

امر الله المومنين بالصبر عند الغضب والحلم عند الجهل والعفو عند الاساءة۔ فاذا فعلوا ذالك عصمهم الله من الشيطان وخضع لهم عدوهم كانه ولىّ حميم (تفسیر ابن کثیر)

اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ غصہ کے وقت صبر کریں۔ وہ جہالت کے موقع پر برداشت کریں اور برائی کے موقع پر معاف کر دیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچالے گا اور ان کے دشمن کو جھکا کر اس کو ان کے دوست کے مانند کر دے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں :

ادفع بحلمك جهل من يجهل عليك (تفسیر القرطبی)

جو شخص تمہارے ساتھ جہالت کرے، اس کی جہالت کا مقابلہ تم برداشت سے کرو۔

مذکورہ آیت میں زندگی کا جو اصول ملتا ہے وہی فرقہ وارانہ فساد کے مسئلہ کا حل بھی ہے۔ یعنی ردّعمل کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے مثبت تدبیر والا طریقہ اختیار کرنا۔ یہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی دوسری تدبیر نہیں جو اس مسئلہ کو ختم کر سکتی ہو۔ دوسری تدبیروں سے اگر وہ ختم ہونے والا ہوتا تو اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔ کیوں کہ پچھلی طویل مدت میں وہ بہت بڑے پیمانہ پر آزمائی جا چکی ہیں اور سراسر ناکام رہی ہیں۔

فساد کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہم قومی طرزِ فکر کو چھوڑیں اور قرآنی طرزِ فکر کو اختیار کریں۔ مسلمان تلاوتِ قرآن کے فضائل سے خوب واقف ہیں مگر وہ اطاعتِ قرآن کے فضائل کو نہیں جانتے۔ قرآن کے احکام دراصل فطرت کے وہ قوانین ہیں جن پر خدا نے اپنی دنیا کا نظام قائم کیا ہے، انھیں قوانین کو اختیار کر کے کائنات کا نظام درست طور پر چل رہا ہے اور انھیں کو اختیار کرنے پر ہماری زندگی کا نظام بھی درست طور پر چل سکتا ہے۔ مذکورہ بنیادی حکم کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس سلسلے میں قرآن سے چند خاص اصول اخذ ہوتے ہیں :

۱۔ خبر کی تحقیق

قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تمھیں کوئی خبر ملے تو اس کی تحقیق کرو (ان جاء کم فاسق بنبأ

فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین) بھیونڈی اور بمبئی کے علاقہ کے مسلمانوں نے اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا ہوتا تو یقیناً وہ اس فساد سے بچ جاتے جس میں کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک ارب روپیہ کا نقصان ہوا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کی خبر سننے کے بعد اگر وہ اس کی باقاعدہ تحقیق کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ یہ خبر سرے سے غلط ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں میں وہ اشتعال پیدا نہ ہوتا جس کے ردعمل میں مذکورہ فساد ہوا۔

۲ . لغویت سے اعراض

اسی طرح قرآن میں اہل ایمان کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ لغویات سے اعراض کرتے ہیں (والذین ھم عن اللغو معرضون) اس آیت کے مطابق مسلمانوں کو چاہئے کہ جب نادان لوگ کوئی جہالت کریں یا کوئی اشتعال انگیز بات کریں تو وہ اس پر برافروختہ نہ ہوں بلکہ اعراض کا طریقہ اختیار کریں۔

مسلمان اگر اس قرآنی حکم (اعراض) کو اختیار کرلیں تو یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندستان میں تمام فسادات کی جڑ کٹ جائے۔ کیوں کہ بیشتر فسادات کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ نادانوں کی خرافات پر اعراض نہیں کرپاتے۔ وہ فوراً مشتعل ہو کر ان سے لڑنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر پچھلے رمضان (جون ۱۹۸۳) میں مالیگاؤں کا فساد یقینی طور پر نہ ہوتا اگر مسلمانوں نے اعراض کا طریقہ اختیار کیا ہوتا۔ جیسا کہ معلوم ہے، اس فساد کا آغاز اس طرح ہوا کہ یہاں ایک مسجد سے جو غیر مسلم علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں ۲۵ جون ۱۹۸۳ کی رات کو تراویح کے وقت غیر مسلموں نے کسی وجہ سے پٹاخہ چھوڑا۔ چوں کہ یہ واقعہ مسجد کے دروازہ کے سامنے ہوا اس لئے وہ مسلمانوں کے لئے قابل اعتراض بن گیا۔ انھوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس سے ضد پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں دوسرے واقعات ہوئے۔ یہاں تک کہ باقاعدہ فساد ہوگیا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے انھیں اس سے قطعاً اعراض کرنا چاہئے تھا۔

۳ . حمیت جاہلیہ نہیں

قرآن میں معاہدہ حدیبیہ کے واقعہ کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے کہ اہل کفر نے جب حمیت جاہلیۃ کا مظاہرہ کیا تو اہل ایمان نے اس کے جواب میں حمیت جاہلیہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ وہ تقویٰ کی روش پر قائم رہے۔ (الفتح ۲۶) اہل ایمان کی طرف سے جوابی حمیت کا طریقہ اختیار نہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ہو سکا جس کو خدا نے فتح مبین فرمایا اور جس کے صرف دو سال بعد عرب فتح ہوگیا۔

مسلمان اگر اس آیت پر عمل کریں تو اچانک ان کی تاریخ بالکل دوسرا رخ اختیار کرلے۔ نیز فسادات کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ فرقہ وارانہ فساد کی وجہ اکثر حالات میں یہی ہوتی ہے کہ فریق ثانی کی حمیت

جاہلیہ کے مقابلہ میں مسلمان بھی حمیت جاہلیہ پر اتر آتے ہیں۔ اس سے کش مکش بڑھتی ہے اور بالآخر فساد ظہور میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر مراد آباد کا فساد (۱۹۸۰) اس طرح شروع ہوا کہ غیر مسلم حضرات کی شادی کا جلوس گاتے بجاتے ایک سڑک سے گزر رہا تھا جس پر ایک مسجد واقع تھی۔ مسلمان مسجد سے نکل کر جلوس کی راہ میں مزاحم ہوگئے انھوں نے کہا کہ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس لئے تم لوگ دوسرے راستے سے اپنا جلوس لے جاؤ۔ غیر مسلم حضرات اس پر تیار نہیں ہوئے۔ یہ ضد یہاں تک بڑھی کہ مار پیٹ کی نوبت آگئی اور بالاخر زبردست فساد پھوٹ پڑا۔

مسلمانوں کی یہ روش یقینی طور پر حمیت جاہلیہ کے مقابلہ میں جوابی حمیت جاہلیہ کا مظاہرہ تھا۔ اگر مسلمان قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے تو یقیناً وہ جوابی حمیت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ اور اس کے بعد اس حادثہ کی نوبت ہی نہ آتی جس نے مراد آباد کو فساد کی آگ میں جلا ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے۔ ناپاک کبھی ناپاک کو نہیں مٹا سکتا (ان اللہ لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث، احمد)

اس حدیث میں ایک خداوندی اصول بیان کیا گیا ہے۔ اسی اصول پر پوری دنیا کا نظام قائم ہے۔ یہاں ہر برائی کو بھلائی سے ختم کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ساری دنیا صرف چند روز میں گندگی کا عظیم کوڑا خانہ بن کر رہ جائے۔

مگر آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ برائی کو برائی سے مٹانے پر کمربستہ ہیں۔ وہ اشتعال کو جوابی اشتعال کے ذریعہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک نفرت کو دوسری نفرت سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رقابت کا توڑ رقابت کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قومی عصبیت کا علاج قومی عصبیت کے ذریعے کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ قانون خداوندی کے سراسر خلاف ہے۔ ایسا کوئی منصوبہ موجودہ دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمانوں کو اپنی اس تدبیر پر اصرار ہے تو ان کو اپنی مرضی کے مطابق ایک اور دنیا بنانی پڑے گی۔ موجودہ دنیا میں وہ کبھی اس طرح کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

قول میں کچھ، عمل میں کچھ

ہندستان کے سیاسی لیڈر اور حکمراں ہمیشہ " دستور ہند " کا قصیدہ پڑھتے ہیں۔ مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ دستور کی تعریف کرنا ہو تو وہ اس کے حوالہ سے سماجی برابری کے خوبصورت الفاظ بولیں گے۔ مگر عملی معاملات میں وہ نابرابری کا سلوک کریں گے۔ دستور کے دفعات کی تشریح میں وہ شاندار طور پر اس کے سیکولر کردار کا تذکرہ کریں گے مگر عمل کے پہلے ہی موقع پر سیکولرازم کو چھوڑ کر قومی جانب داری کا رویہ اختیار کرلیں گے۔ گویا دستور ہند صرف فخر کرنے کے لئے ہے نہ کہ عمل کرنے کے لئے۔

ٹھیک یہی حال موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ مسلمان اپنی تقریروں اور تحریروں میں اسلامی تعلیمات کی عظمت کا قصیدہ پڑھتے ہیں مگر عمل کے وقت وہ جس چیز پر عمل کرتے ہیں وہ ان کا ذاتی مفاد یا ان کی قومی خواہشیں ہوتی ہیں نہ کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات۔ یہی حال آج اصاغر امت کا بھی ہے اور یہی حال اکابر امت کا بھی۔

مسلمان جب اسلام کے عقیدۂ توحید پر بولیں گے تو شاندار الفاظ کا دریا بہا دیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ اسلام میں ایک خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کی گنجائش نہیں۔ مگر عملاً قوم کی قوم کا یہ حال ہے کہ وہ غیراللہ کی پرستش میں مبتلا ہے۔ کوئی کسی بزرگ کی پرستش کر رہا ہے اور کوئی کسی مفکر کی۔ کوئی کسی زندہ شخصیت کو مقدس سمجھے ہوئے ہے اور کوئی کسی مردہ شخصیت کو۔ انسانی عظمت کے تذکروں سے تمام مجلسیں گونج رہی ہیں مگر خدا کی عظمت کا تذکرہ کہیں سنائی نہیں دیتا۔ گویا " توحید " صرف اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں پر اپنی نظریاتی برتری ظاہر کرکے فخر کیا جائے۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو مسلمانوں کی عملی حالت بھی تقریباً وہی ہے جو دوسری قوموں کی۔

اسی طرح ہمارے ادیب اور خطیب پرجوش طور پر بیان کریں گے کہ اسلام کے نزدیک خدا بھی ایک ہے اور کتاب بھی ایک اور انسان بھی ایک۔ آفاقی وحدت سے کم کوئی چیز ان کو اسلام کی عظمت گھٹانے کے ہم معنی معلوم ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایسی صاف اور واضح شریعت کے حامل ہیں جس کی راتیں بھی اس کے دنوں کے مانند روشن ہیں (لیلھا کنھارھا)

بذات خود یہ باتیں یقیناً صحیح ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے اب وہ صرف کہنے کی باتیں رہ گئی ہیں۔ ان کا عمل دیکھئے تو ہر ایک سراسر اس کے خلاف عمل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان آج جتنا

زیادہ اختلاف اور انتشار میں مبتلا ہیں، دنیا کی کوئی قوم اتنے زیادہ اختلاف و انتشار میں مبتلا نہیں مسلمانوں کی حالت دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کے درمیان کوئی مشترک چیز موجود ہی نہیں۔ جیسے کوئی واحد بنیاد ہی نہیں جس پر ان کو متحد کیا جاسکے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام کی وحدت کا لفظ آج مسلمان صرف دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے بولتے ہیں۔ اسلام اب ان کے لئے صرف فخر کرنے کی چیز ہے نہ کہ عمل کرنے کی چیز۔

یہی حال آج مسلمانوں کے تمام قومی اور اجتماعی معاملات کا ہے۔

اس کی ایک واضح مثال اسلام کی وہ تعلیم ہے جو معاہدہ حدیبیہ کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ تمام قائدین اور مفکرین کا یہ حال ہے کہ جب وہ رسول کی سیرت یا قرآن کی تعلیم پر بولتے ہیں تو وہ معاہدہ حدیبیہ کی صابرانہ پالیسی کو زور و شور کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ کی فتح صلح کے ذریعہ حاصل کی گئی نہ کہ جنگ کے ذریعہ۔ مگر دوسری اقوام سے موجودہ مسلمانوں کے جو جھگڑے ہیں ان میں وہ حدیبیہ کی روح کے سراسر خلاف عمل کرتے ہیں۔ ہر قائد معاہدہ حدیبیہ کی شاندار تفسیر بیان کرتا ہے۔ دوسری طرف ان قائدین اور مفکرین نے موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ جس اسلامی تعلیم کو نظر انداز کیا ہے وہ وہی ہے جس کو معاہدہ حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

بطور مثال یہاں ایک مشہور مسلم اخبار کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اس انگریزی اخبار نے اپنی ۱۴ جولائی ۱۹۸۴ کی اشاعت میں معاہدہ حدیبیہ پر ایک طویل مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے ذریعہ عرب کی فتح کا دروازہ کھلا۔ مضمون کے مطابق، معاہدہ حدیبیہ کا خلاصہ یہ تھا کہ مخالف فریق کی ہر قسم کی اشتعال انگیزیوں کے باوجود یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو ردعمل سے بچا جائے، اور ٹکراؤ کو نظر انداز (Avoid) کرتے ہوئے اپنی مثبت تعمیر کے ذریعہ کامیابی حاصل کی جائے۔ یہاں اخبار کے مذکورہ مضمون کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ حدیبیہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں :

> During this period, while negotiations were on, the Quraish continued with their efforts in different ways to provoke Muslims to start a fight but the companions all through exercised great self-restraint as directed by their leader and refused to fall into any trap. Once a group of around fifty stealthily approached the camp of Muslims in the night and started pelting stones. Companions of the Prophet who had already been cautioned against reacting to such provocations, kept their cool and simply rounded up them all and produced them before the Prophet who simply let them go. (p. 19)

جب بات چیت ہو رہی تھی تو قریش مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تاکہ دونوں کے درمیان لڑائی شروع ہو جائے۔ مگر اصحاب رسول نے شروع سے آخر تک زبردست صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، جیسا کہ ان کے قائد نے انھیں ہدایت کی تھی۔ انھوں نے ان کی کسی بھی چال میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔ ایک بار تقریباً ۵۰ آدمیوں کا ایک گروہ چپکے سے مسلمانوں کے پڑاؤ کے پاس رات کے وقت آگیا اور پتھر مارنا شروع کیا۔ رسول کے اصحاب جن کو پہلے سے ہی چوکنا کر دیا گیا تھا کہ وہ اس قسم کی اشتعال انگیزیوں پر برانگیختہ نہ ہوں، وہ بالکل ٹھنڈے بنے رہے اور صرف یہ کیا کہ ان سب کو پکڑ کر رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیا جنھوں نے سادہ طور پر بس ان کو رہا کر دیا (صفحہ ۱۹)

معاہدہ حدیبیہ کی اس اسپرٹ کا مذکورہ مضمون میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونے کی یہی حکیمانہ پالیسی تھی جس کے ذریعے عرب میں بے مثال کامیابی حاصل کی گئی۔

مگر یہی اخبار ہے جو ملک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مسائل کے ذیل میں اس کے بالکل برعکس ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اشتعال انگیز واقعات پر مسلمانوں کے مشتعل ہو جانے کی حمایت کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اخبار مذکور کی اشاعت ۹ جون ۱۹۸۴ میں بھیونڈی اور بمبئی کے علاقہ میں ہونے والے فساد پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پربھنی کے اس واقعہ کا ذکر ہے کہ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے کے پیغمبر کی شان میں گستاخانہ الفاظ بولنے پر ایک مسلمان ایم ایل اے مسٹر اے آر خان نے غصہ میں بھرا ہوا جلوس نکالا اور مسلمانوں نے مسٹر بال ٹھاکرے کی مورت بنا کر اس کو پرانے چپلوں کا ہار پہنایا۔

اخبار مذکور یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ احتجاج کا نہایت نازیبا طریقہ تھا۔ مگر اگلے ہی فقرہ میں یہ کہہ کر اس کا جواز فراہم کر دیتا ہے کہ —— مگر ایک شخص کو یہ کہنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں ابتدائی اشتعال شیوسینا کے لیڈر کی طرف سے فراہم کیا گیا تھا:

> —the Muslims took out an angry procession on May 11 and a Muslim MLA, Mr. A.R. Khan, in his muddle headedness, garlanded an effigy of Mr. Bal Thackeray with wornout chappals. No level headed Muslim approves of the Congress-I legislator's indecent manner of protest. But one need not strain one's commonsense to conclude that the initial provocation had come from the Shiva Sena chief.

مذکورہ دونوں مضامین میں واضح طور پر تضاد ہے۔ اول الذکر بیان بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سنت یہ تھی کہ فریق مخالف خواہ کتنی ہی اشتعال انگیزی کرے ہم اس پر برافروختہ نہ ہوں، بلکہ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مثبت طرز عمل پر قائم رہیں۔ اس کے برعکس دوسرا بیان یہ کہتا ہے کہ جب اشتعال انگیزی ہوگی تو اس کا ردعمل بھی ضرور ہوگا۔ پیغمبر کی سنت تو یہ کہتی ہے کہ پتھر

کا جواب لفظ سے بھی مت دو، مگر اخبار مذکور کے مطابق مسلمان اگر لفظ کا جواب چپل سے دیں تب بھی وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ کیوں کہ وہ اشتعال دلانے کے بعد مشتعل ہوئے ہیں!

یہ کسی ایک اخبار کی بات نہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تمام صحافت و قیادت اسی تضاد میں مبتلا ہے۔ اور یہی وہ تضاد ہے جس نے ہماری تمام کوششوں کو بے نتیجہ بنا دیا ہے۔ جب اسلام پر لکھنا یا بولنا ہو تو ہمارا ہر لیڈر اسلام کے حق میں شاندار قصیدہ پیش کرتا ہے مگر جب عملی انطباق کا وقت آتا ہے تو وہ فوراً وہی کرنے لگتا ہے جو قومی خواہشات کا تقاضا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اب مسلمانوں کا "دین" نہیں رہا ہے بلکہ وہ صرف ان کے قومی فخر کا عنوان ہے۔ عمل کے وقت ان کی رہنما ان کی خواہشیں ہوتی ہیں، البتہ جب اظہار فخر کا موقع ہو تو وہ اسلام کی شان میں قصیدہ پڑھ کر اپنی برتری کے جذبات کو تسکین دے لیتے ہیں۔

گویا یہاں مسلم لیڈروں کا کیس وہی ہے جو غیر مسلموں کی مثال میں نظر آتا ہے۔ غیر مسلم لیڈر دستور ہند کے شاندار الفاظ پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسا اور ایسا دستور ہے۔ مگر ان کا عمل اس کے سراسر خلاف ہوتا ہے۔ ٹھیک یہی مسلم لیڈروں کا حال بھی ہے۔ وہ قرآن و سنت پر شاندار قصیدہ پڑھ کر اپنے جذبات فخر کو تسکین دیتے رہتے ہیں مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت ان کا رہنما یا ان کا ذاتی مفاد ہوتا ہے یا ان کی قومی خواہشات۔

ہمارے قائدین بلاشبہہ خود فساد نہیں کرتے۔ مگر جب ان کی قوم کے جاہل افراد کی نادانی سے کہیں فساد ہو جاتا ہے تو وہ ہمیشہ ان کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے لوگوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتے جس کی ایک مثال مذکورہ انگریزی اقتباس ہے۔ قائدین کی یہ قومی روش خود انھیں بھی فسادیوں کی فہرست میں شامل کر رہی ہے خواہ بظاہر وہ اس سے الگ دکھائی دیتے ہوں۔

لوگ خدائی مذہب کا نام لیتے ہیں، حالانکہ انھیں قومی مذہب کے سوا کسی اور چیز کی خبر نہیں۔

ایک چھوڑی ہوئی سنّت

انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں پرتگیزی ہندستان کے ساحل تک آچکے تھے۔ اس زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندستانی مسلمان جو بادبانی کشتیوں کے ذریعہ حج کے لئے ہندستان سے حجاز جارہے تھے، ان کو پرتگیزیوں نے راستہ میں لوٹ لیا۔

اس طرح کے واقعات مشہور ہوئے تو اطراف لکھنؤ کے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ موجودہ حالات میں ہندستانی مسلمانوں کے لئے حج کی عبادت ضروری نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ قرآن میں ہے کہ من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران ۹۷) اس آیت کے مطابق حج کی شرط یہ ہے کہ راستہ میں امن ہو۔ چونکہ حجاز اور ہندستان کے درمیان کا سمندری سفر غیر مامون ہوگیا ہے، اس لئے اس آیت کے مطابق اب ہندستانی مسلمانوں کے اوپر سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی ہے۔

یہ مسئلہ بڑھا اور مختلف علماء سے اس کے بارہ میں رائیں دریافت کی گئیں۔ مفتی فیض الدین صاحب (لکھنؤ) نے شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۸۲۳ - ۱۷۴۶ء) کو خط بھیجا اور اس کے متعلق ان کا فتویٰ پوچھا۔ انھوں نے اور دوسرے علماء نے فتویٰ دیا کہ حج کی فرضیت بدستور قائم ہے۔ سمندری خطرات کے باوجود صاحب استطاعت مسلمانوں کو حج کرنا چاہئے۔

اس کے بعد سید احمد شہید بریلوی (۱۸۳۱ - ۱۷۸۶) کے اندر جوش پیدا ہوا۔ انھوں نے حج کو زندہ کرنے کے لئے ایک فوری اقدام کیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم حج کے لئے جارہے ہیں۔ جس کا جی چاہے وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم ہر ایک کے اخراجات کے ذمہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مختلف علاقوں میں خطوط روانہ کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سات سو آدمی ان کے ساتھ جمع ہوگئے۔ اگرچہ اس وقت سید صاحب کے پاس صرف گیارہ روپئے موجود تھے مگر انھوں نے مجاہدانہ عزم کے ساتھ قافلہ کو لے کر سفر شروع کر دیا۔ رائے بریلی سے الٰہ آباد پہنچے۔ وہاں سے گنگا میں چلنے والی کشتیوں کے ذریعہ کلکتہ تک کا سفر کیا۔ اور کلکتہ سے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ جدہ کے ساحل پر اترے اور پھر حج ادا کر کے سب کے ساتھ واپس آئے۔ پورے راستہ میں مسلم آبادیاں ان کا تعاون کرتی رہیں۔ اس طرح یہ سفر تکمیل تک پہنچا۔

سید احمد شہید کا یہ پرجوش اقدام قابل تعریف ہے۔ مگر یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ سید صاحب کے اندر اس کا جوش تو پیدا ہوا کہ وہ حج کے فریضہ پر لوگوں کو عمل کرانے کے لئے فوری اقدام کریں۔ مگر ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اس بات کی تحقیق کریں کہ یہ

" سمندری قزاق "کون ہیں۔ جنھوں نے ہمارے عبادتی سفر کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ یہ دوسرا سوال بے حد اہم تھا۔ اور بے حد دور رس نتائج کا حامل تھا۔ مگر انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔
مزید یہ کہ یہ دوسرا مسئلہ بھی اسی طرح عین دینی عمل تھا جس طرح حج کرنا ایک دینی عمل ہے۔ پہلی چیز اگر فرض ہے تو دوسری چیز سنت۔ انھوں نے فرض پر تو عمل کیا اور سنت کو چھوڑ دیا۔
موجودہ دور میں غیر مسلم اقوام کی طرف سے مسلمانوں کے لئے زبردست مسائل پیدا ہوئے مگر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسلم وفد نے تحقیق حال کے لئے ان علاقوں کا سفر کیا ہو یا ان کی خبریں فراہم کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا گیا ہو۔
سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت تتبع اخبار ہے۔ یعنی فریق مخالف کی سرگرمیوں اور منصوبوں کا خاموشی سے پتہ لگانا۔ یہ وہی چیز ہے جس کو موجودہ زمانہ میں جاسوسی نظام کہتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کی حکومتیں اپنے جارحانہ عزائم کے لئے جاسوسی کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جاسوسی نظام اس لئے تھا کہ تعمیر اسلام کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کی سرگرمیوں کا پیشگی اندازہ کیا جائے تاکہ بروقت ان کا توڑ کیا جاسکے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے حالات سے مجبور ہو کر ہجرت کے لئے نکلے تو قریش نے آپ کا پیچھا کیا۔ چنانچہ آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ چند میل کے فاصلہ پر جبل ثور کے ایک غار میں بیٹھ گئے اور وہاں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دنوں کے بارہ میں جو واقعات سیرت کی کتابوں میں آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبد اللہ بن ابی بکر جو نہایت ہوشیار اور سمجھدار نوجوان تھے، ان کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ دن بھر مکہ میں رہیں۔ اور خاموشی کے ساتھ قریش کی باتوں کا پتہ کرتے رہیں۔ پھر رات کو غار ثور میں آکر آپ کو قریش کے ارادوں اور ان کے منصوبوں سے مطلع کریں۔ اس طرح کرکے وہ دوبارہ اندھیرے ہی میں مکہ واپس چلے جاتے اور صبح سویرے وہاں پہنچ جاتے تاکہ وہ لوگ اس غلط فہمی میں رہیں کہ عبداللہ بن ابی بکر نے رات مکہ ہی میں گزاری ہے۔ وہ تین دن تک برابر ایسا ہی کرتے رہے۔
اس سلسلہ میں ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں : امر عبد اللہ بن ابی بکر ان یتسمع لهما مايقول الناس فيهما (عبد اللہ بن ابی بکر کو یہ ہدایت کی کہ وہ ان دونوں کے لئے مکہ میں سنیں کہ لوگ ان دونوں کے بارہ میں کیا کہتے ہیں) طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر کی ایک روایت میں

یہ الفاظ ہیں :

وعبداللہ بن ابی بکر یظل بمکۃ یتطلب الاخبار ثم یاتیھما اذا اظلم اللیل فیخبرھما ثم یدلج من عندھما فیصبح بمکۃ

اور عبداللہ بن ابی بکر (دن میں) مکہ میں رہ کر خبریں معلوم کرتے۔ پھر جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو وہ ان کے پاس (غارِ ثور) میں آتے اور ان کو خبریں بتاتے۔ پھر اندھیرے میں ان کے پاس سے چلے جاتے اور مکہ میں صبح کرتے (تاکہ قریش کو خبر نہ ہوسکے)

(مزید تفصیل کے لئے: السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۲۴۶)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ مگر چوں کہ آپ کے خلاف قریش کے عزائم ختم نہیں ہوئے تھے، آپ نے ان کی خبریں لینے کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ ہجرت کے فوراً بعد جن سرایا کی روانگی کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے وہ زیادہ تر جاسوسی دستے تھے جو مکہ کے اطراف میں قریش کی سرگرمیوں کا پتہ لگانے کے لئے بھیجے گئے۔ چنانچہ ان دستوں کی روانگی کے وقت آپ ان کو جو ہدایت دیتے تھے اس میں اس قسم کے الفاظ ہوتے تھے: فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم (سیرۃ النبی لابن ہشام، الجزء الثانی، صفحہ ۲۲۹) یعنی قریش کی خبر گیری کے لئے بیٹھو اور ہم کو ان کی خبروں سے مطلع کرو۔

فریق مخالف کی تیاریوں اور اس کی سرگرمیوں کا پتہ لگانے کا یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت بتاتی ہے کہ ہمارے یہاں ایک مستقل شعبہ خبروں کی فراہمی کا ہونا چاہئے۔ اس قسم کا شعبہ عام غیر مسلم اقوام کے سلسلے میں بھی ضروری ہے اور ہندستان کے مخصوص حالات میں بھی ضروری ہے۔

ہندستان میں اس شعبہ کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے احوال کی مستقل خبر گیری کرتا رہے وہ دونوں طرف کی صحیح اطلاع فراہم کرے۔ یہ شعبہ جدید ترین ذرائع کو استعمال کرکے مکمل طور پر باخبر رہے۔ وہ تمام اسلامی مراکز کو اطلاعات فراہم کرے۔ ایک فریق کے بارے میں کوئی غلط خبر پھیلے تو فوراً اس کا مکمل توڑ کیا جائے۔ جب بھی کہیں کوئی غیر ضروری اشتعال پیدا ہو تو فوراً مسلم قیادت حرکت میں آجائے اور اس کو آخری سنگینی تک پہنچنے سے پہلے ابتدائی مرحلہ میں دفن کر دیا جائے۔ جب

بھی ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف سازش کرتا ہوا ملے تو فوراً اس کی سازش کو بے نقاب کیا جائے اور ہر قسم کے پر امن ذرائع کو اختیار کرکے اسے ابتدائی مرحلہ ہی میں ناکام بنا دیا جائے۔

اس سلسلے میں مراد آباد کے فساد کی مثال لیجئے۔ یہاں مسلمانوں نے غیر مسلموں کی ایک شادی پارٹی کو روکا اور کہا کہ مسجد کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے اپنا جلوس لے جاؤ۔ غیر مسلم اس پر راضی نہیں ہوئے تکرار بڑھتی گئی یہاں تک کہ باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کو مارا اور انھیں بھگا دیا۔

یہ واقعہ ۲۷ جولائی ۱۹۸۰ کو ہوا۔ اس کے بعد دو ہفتہ تک مکمل خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۳ اگست ۱۹۸۰ کو زبردست فساد ہوا جس میں مسلمانوں کی معاشیات تباہ کر دی گئیں مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ۱۳ اگست ان کی عید کا دن تھا۔ اس روز مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد عیدگاہ میں جمع تھی۔ چنانچہ پیشگی منصوبہ کے تحت عیدگاہ میں خنزیر داخل کیا گیا۔ یہاں پہلے سے غیر مسلم لڑکے مسلمانوں کے لباس میں عیدگاہ کے اندر بٹھا دئے گئے تھے۔ انھوں نے خنزیر کے داخل ہوتے ہی پتھراؤ شروع کر دیا اور پولیس کے حفاظتی دستہ کو بھی مارا۔ اس طرح اشتعال پیدا ہوا اور فساد پھوٹ پڑا۔

مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ ۲۷ جولائی سے لے کر ۱۳ اگست تک مسلمانوں کے خلاف تیاری کی گئی مگر شہر کے مسلمانوں کو آخر وقت تک اس کی اطلاع نہ ہو سکی۔ اسی بے خبری میں اس سوال کا جواب چھپا ہوا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ پچھلے پچاس سال سے مسلمان ایک ہی شکایت لئے بیٹھے ہیں۔ وہ آج تک اس کا علاج نہ کر سکے۔ وہ یہ کہ ان کے خلاف منصوبہ بند فساد کرائے جاتے ہیں۔ یہ دنیا مقابلہ کی دنیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دوسرے لوگ اگر منصوبہ بند فساد کے قصوروار ہیں تو مسلمان اس کے قصوروار ہیں کہ وہ اپنے خلاف منصوبوں سے اس وقت تک باخبر نہیں ہوتے جب تک وہ اپنے آخری انجام کو نہ پہنچ جائیں۔ فساد کے بعد تمام مسلم قائدین تیز رفتار سواریوں پر دوڑتے ہیں تاکہ وہ حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر انھیں فسادیوں کی تخریب کاری کی اطلاع دے سکیں۔ اس قسم کی سرگرمیاں سراسر بے فائدہ ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہماری قیادت کو فسادیوں کے منصوبہ کی پیشگی طور پر مکمل اطلاع ہو جائے اور وہ حادثہ سے پہلے ذمہ داروں کو باخبر کرنے کے لئے سرگرم ہو جائیں۔ اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی تربیت کے لئے۔

فساد کی روک تھام کے لئے ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فراہمی اخبار کی سنت کو زندہ کیا جائے محض شکایت اور احتجاج کرتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں خبروں کی فراہمی کا شعبہ حقیقۃً جنگ کا شعبہ نہ تھا بلکہ وہ تمام تر امن کا شعبہ تھا۔ یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے جارحانہ عزائم سے پیشگی طور پر باخبر ہو کر اس کو ناکام بنانا تاکہ اسلام کی دعوتی اور تعمیری سرگرمیوں کو خلل اندازی سے بچایا جاسکے۔

یہی موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا اصول ہونا چاہئے۔ ان کے یہاں اعلیٰ پیمانہ پر خبروں کی فراہمی کا شعبہ ہو۔ مگر اس لئے نہیں کہ جب کسی فریق کی طرف سے تشدد کے سامان جمع کرنے کی خبر ملے تو ہم بھی تشدد کے سامان جمع کرنے میں لگ جائیں۔ موجودہ حالات میں اس قسم کی ہر کوشش صرف خودکشی کے ہم معنی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں خبروں کی فراہمی کے شعبہ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ جب بھی کسی " سازش " کی خبر ملے تو اس کو حکمت سے دفع کیا جائے " آگ " کو " پانی " کے ذریعہ بجھانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور یہ یقینی طور پر ممکن ہے۔ اس سے زیادہ ممکن اور کوئی چیز خدا کی اس دنیا میں نہیں۔

سابق حاملین کتاب

یہود ماضی میں خدا کی کتاب کے حامل بنائے گئے تھے۔ یہود کے ماضی میں امت مسلمہ کے مستقبل کے لئے سبق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی سورتوں میں کثرت سے یہود کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ بگاڑ کی جو صورتیں یہود کے ساتھ پیش آئیں وہ سب کی سب مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آئیں گی۔ لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموھم (بخاری و مسلم)

حقیقت یہ ہے کہ جو قومیں خدا کی کتاب کی حامل بنائی جاتی ہیں، ان کا کیس ہمیشہ یکساں ہوتا ہے۔ ان کی کامیابی کا بھی ایک ہی اصول ہے اور ان کی ناکامی کا بھی ایک ہی اصول۔ اس اعتبار سے یہود کی تاریخ ہر اس قوم کی تاریخ ہے جو خدا کی کتاب کی حامل بنائی جائے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی سبق ہے جتنا خود یہود کے لئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل (یہود) پر خدا کے انعامات کا جو آغاز ہوا تھا، اس کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ انھیں خدا کی مدد سے یہ موقع ملا کہ انھوں نے فلسطین میں داخل ہو کر پورے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہود کی تاریخ مسلسل اتار چڑھاؤ کی تاریخ ہے۔ نیک عملی پر انعام اور بد عملی پر سزا۔

سموئیل نبی کے زمانہ میں یہود کی خود مختار اور متحدہ سلطنت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سلطنت ان کے تینوں حکمرانوں (طالوت، داؤد، سلیمان) کے زمانہ تک رہی جن کا مشترک دور ۱۰۲۰ ق م سے لے کر ۹۲۶ ق م تک ہے۔

حضرت سلیمان کے بعد فلسطین کی سلطنت دو الگ الگ حصوں (اسرائیل اور یہودیہ) میں تقسیم ہو گئی۔ ان کا دینی بگاڑ اور سیاسی اختلاف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ نویں صدی قبل مسیح میں ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اشوری حکمرانوں نے فلسطین پر حملے شروع کئے اور بالآخر سلطنت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا۔

۶۰۴ ق م میں بابل (عراق) کا حکمراں بنوخذ نصر اٹھا اور شام پر قبضہ کر کے فلسطین کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اس کے خوف سے یہودیہ (فلسطین) کا اسرائیلی بادشاہ یہویاکم اس کو خراج دینے پر مجبور ہو گیا تاہم کچھ عرصہ بعد یہویاکم کے دماغ میں آیا کہ مصر کا ساتھ دینا اس کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ چنانچہ اس نے شاہ بابل

سے بغاوت کر دی اور اس کو خراج دینا بند کر دیا۔

اس کے نتیجہ میں شاہ بابل اسرائیل پر غضب ناک ہو گیا اور فلسطین پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس درمیان میں یہویاکم کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا یہوخیم تخت پر بیٹھا۔ بابل کی فوجوں نے فلسطین پر حملہ کر کے اس کو زیر کر لیا اور شاہ یہوخیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ بابل کے حکمراں نے فلسطین کی یہودیہ سلطنت کا نیا انتظام اس طرح کیا کہ سابق شاہ کے چچا زدکیاہ کو اپنا ماتحت عامل مقرر کر دیا۔

اس وقت بنی اسرائیل میں یرمیاہ نبی اٹھے۔ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم لوگ حقیقت سے نہ لڑو اور موجودہ سیاسی نظام کو تسلیم کر لو۔ اور حکومت سے ٹکراؤ کا طریقہ چھوڑ کر دینی اور تعمیری انداز میں کام کرو۔ مگر بنی اسرائیل کے اندر جھوٹے لیڈر اٹھے۔ انھوں نے جذباتی تقریریں کیں اور رومانی اشعار سنائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل جھوٹی خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ حقیقت پسندی کا طریقہ نہ اختیار کر سکے۔ ان کا بادشاہ زدکیاہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابل کے حکمراں بنوخذنصر نے دوبارہ فلسطین پر حملہ کر دیا۔ کئی مہینے کے محاصرہ کے بعد اس نے یروشلم کو اور یہودیوں کے عبادت خانہ کو بالکل تباہ کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۵۸۷ ق م میں پیش آیا۔

شاہ زدکیاہ نے اس کے بعد بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پکڑا گیا اور دوسرے بہت سے اعیان و اکابر کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ بے شمار اسرائیلی پکڑ کر بابل لے جائے گئے تاکہ وہ بابلیوں کے لئے بیگار کا کام کر سکیں۔

یہودی (جو دور قدیم کے مسلمان تھے) ان کے ساتھ پچھلی تاریخ میں کثرت سے اس طرح کے شدید واقعات پیش آئے ہیں۔ وہ لوگ بطور خود ان واقعات کو ظالموں کے ظلم کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ مگر بائبل کے نزدیک ان واقعات کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ وہ ان تمام واقعات کو خود یہودیوں کے خانہ میں ڈالتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ یہودیوں کے اپنے بگاڑ کے نتیجہ میں پیش آنے والی خدائی سزائیں ہیں نہ کہ حقیقۃً ظالم کا ظلم۔

اس سلسلہ میں یہود کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دور زوال میں ان کے یہاں ایسا ہوا کہ کثرت سے خوش خیال قائدین کھڑے ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو بائبل میں "جھوٹی نبوت کرنے والے" کہا گیا ہے۔ بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ یہود کی تاریخی عظمت بیان کر کے انھیں جھوٹے فخر کی شراب پلاتے۔ وہ مبالغہ آمیز انداز میں یہود کی حیثیت کو بڑھاتے اور ان کے دشمنوں کو گھٹاتے۔ وہ جذباتی الفاظ بول کر انھیں خیالی دنیا میں مگن رکھتے۔ اس کی وجہ سے یہ ہوا کہ

یہود حقیقت پسندی سے بہت دور ہوگئے۔ وہ حقیقی عمل کے بجائے جذباتی کارروائیوں سے نتیجہ کی امید کرنے لگے۔

عین اسی زمانہ میں خدا نے ایسے افراد اٹھائے جو بائبل کے الفاظ میں "سچی نبوت کرنے والے" تھے۔ انھوں نے یہود کو حقیقت پسندی کا سبق دیا۔ ان کی اندرونی کمزوریوں سے ان کو باخبر کیا۔ ان کو بتایا کہ تم کو تمھارے جھوٹے فخر سے کچھ ملنے والا نہیں۔ خدا کی دنیا میں حقیقی عمل کی قیمت ہے نہ کہ جھوٹے فخر اور خوش خیالیوں کی۔ مگر یہود کو ان کی باتیں پسند نہ آئیں۔ وہ انھیں کے پیچھے چل پڑے جو ان کو جھوٹی امیدیں دلاتے تھے۔ اور ان کو خوش خیالیوں میں مبتلا رکھتے تھے۔ اس بنا پر وہ بار بار اپنے حریف کے خلاف ایسے اقدامات کرتے رہے جس کا نتیجہ صرف ان کی شکست اور مزید ذلت تھی۔

یہود کی تاریخ کی یہ تفصیلات بائبل کی کتاب یرمیاہ (باب ۲۷۔ ۳۰) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان تفصیلات کے مطالعے سے واضح طور پر حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ دور زوال میں یہود پر بار بار جو تباہیاں آئیں ان کی مکمل ذمہ داری خود یہود پر ڈالی گئی ہے۔ ان صفحات میں دوسری قوموں کے ظلم اور سازشوں پر ان کو برا بھلا نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ خود یہود کو نصیحت کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہو رہا ہے کہ تم نے اپنے خدا کو ناراض کر لیا ہے۔ یہ خداوندی تنبیہ ہے نہ کہ انسانی فساد۔ تم سارا اہتمام اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے کرو اور پھر تمھارا کھویا ہوا مقام تمھیں دوبارہ حاصل ہو جائے گا۔ گویا موجودہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا راز خدائی قانون میں تلاش کرنا چاہئے نہ کہ انسانی سازشوں میں۔

۲۔ زوال کے زمانہ میں "مجاہدانہ اقدام" سے صراحتہً روکا گیا ہے۔ ان کو تاکید کی گئی ہے کہ غالب قوم سے موافقت کر کے رہو۔ دوسروں سے ٹکرانے کے بجائے صرف اپنی تعمیر میں لگ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں داخلی تعمیر کا نام جہاد ہوتا ہے نہ کہ خارجی اقدام کرنے کا۔

۳۔ تنزل کے دور میں یہود کے اندر ایسے شاعر اور خطیب پیدا ہوئے جو انھیں قومی عظمت کے ترانے سناتے اور بڑی بڑی امیدیں دلا کر انھیں اقدام پر اکساتے۔ بائبل کے الفاظ میں یہ لوگ فتنہ انگیز ہیں۔ وہ بظاہر فلاح کی باتیں کرتے ہیں مگر حقیقۃً وہ ایسے راستہ کی طرف بلاتے ہیں جس کا نتیجہ صرف ہلاکت ہو۔ ایسے لوگوں کو غلط قرار دیتے ہوئے بائبل میں تلقین کی گئی ہے کہ تم لوگ حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کرو۔ اقتدار وقت سے ٹکراؤ نہ کرتے ہوئے اپنی تعمیر و استحکام میں لگ جاؤ۔ "ستر برس" تک جب تم ایسا کرو گے تو خدا تمھارے دن کو تمھارے لئے لوٹا دے گا۔

اخلاقی کمزوریوں کی حالت میں بڑے بڑے اقدام کی للکار بلند کرنا ایک ایسی غیر سنجیدہ حرکت ہے جس کی مثال کسی پیغمبر کے یہاں موجود نہیں۔ یہ جھوٹے قائدین کا طریقہ ہے نہ کہ سچے قائدین کا طریقہ۔

۴. قوم کے اندر کمزوری پیدا ہونے کے بعد جب خدا اس پر تنبیہات بھیجے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر رجوع الی اللہ اور تضرع (الانعام ۴۲) کی کیفیت پیدا ہو۔ ایسی حالت میں جو قائدین "ظالموں" کو نشانہ بنا کر ان کے خلاف یک طرفہ شکایت اور احتجاج کا ہنگامہ کھڑا کریں۔ وہ گویا خدا کی اسکیم میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ وہ لوگوں کی توجہ کو صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ کی طرف موڑ دینے کے مجرم ہیں۔

جس واقعہ سے احتساب خویش کا جذبہ ابھارنا مقصود تھا اس کو وہ اس کے برعکس احتساب غیر کا جذبہ ابھارنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ جس واقعہ کا فائدہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ لوگوں کی توجہ خدا کی طرف مائل ہو اس واقعہ کو انسان کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ جو قائدین ایسا کریں وہ حقیقۃً جرم کر رہے ہیں نہ کہ قوم کی رہنمائی۔

آزمودہ حل

رابرٹ ملتھوف (Robert Multhoff) کا ایک بہت بامعنی قول ہے۔ اس نے کہا کہ جو شخص تعیم کو پسند کرتا ہے وہ عموماً جھوٹ بولتا ہے:

He who likes to generalize generally lies.

ایک تنہا واقعہ کو اگر آپ عمومی انداز میں بیان کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ استثنار کو عموم کی حیثیت دے رہے ہیں۔ ایک حادثہ جو کسی اتفاقی سبب سے پیش آیا ہے اس کو سماج کی عام حالت قرار دے رہے ہیں۔ ایسا آدمی ہمیشہ جھوٹ کی فضا میں رہتا ہے۔ وہ نہ کبھی سچائی کو پاتا اور نہ معاملہ کے سچے حل کو۔

ہمارے بہت سے اخبارات ہیں جن میں آپ کو اس قسم کی سرخیاں پڑھنے کو ملیں گی ــــ ہندستان میں فرقہ وارانہ فساد، علی گڑھ میں فرقہ وارانہ فساد، حیدر آباد میں فرقہ وارانہ فساد۔ اس قسم کی خبریں صحیح ہونے کے باوجود ہمیشہ غلط ہوتی ہیں۔ وہ آدھی سچائی ہوتی ہیں نہ کہ پوری سچائی۔ کیوں کہ کوئی فساد کبھی پورے ملک یا پورے شہر میں نہیں ہوتا۔ مگر ہمارے لکھنے اور بولنے والے ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جس سے بظاہر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ پورا ملک یا پورا شہر فرقہ وارانہ فساد کی زد میں آگیا ہے۔

جب بھی کہیں فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے تو وہ نہ سارے ہندستان میں ہوتا اور نہ کسی پورے شہر میں۔ مثلاً اس قسم کے فساد تقریباً سب کے سب ہندستان کے شمالی حصہ میں ہوتے ہیں۔ ہندستان کا جنوبی حصہ ہمیشہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح مثلاً علی گڑھ میں فساد ہوا تو وہ پرانے شہر میں ہوا۔ سول لائن کے علاقہ میں کوئی فساد نہیں ہوا۔ اسی طرح حیدر آباد کا فساد قدیم حیدر آباد کے علاقہ میں ہوا۔ نیا حیدر آباد اس سے بچا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی خبریں ہمیشہ "جھوٹ" ہوتی ہیں۔ اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہمارے قائدین آج تک اس مسئلہ کا سچا حل دریافت نہ کر سکے۔ چونکہ اپنے ذہن کے مطابق وہ "پورے" ملک یا "پورے" شہر میں فساد فرض کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کو وہ غیر فساد زدہ حصہ نظر نہیں آتا جہاں فساد نہ ہونے کے اسباب کی تحقیق کرکے وہ اس کے مطابق فساد زدہ حصہ کو فساد سے بچانے کی تدبیر کر سکیں۔

ایک ہی شہر کے ایک حصہ میں فساد ہو اور اسی شہر کے دوسرے حصہ میں فساد نہ ہو تو یقیناً

یہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ فرق کیسے واقع ہوا۔ اس فرق کا راز دریافت کرکے ایسا کیا جا سکتا ہے کہ محفوظ حصہ کے تجربہ کو غیر محفوظ حصہ میں دہرایا جائے۔ جس طرح ایک حصہ فساد سے بچا ہے اسی طرح دوسرے حصہ کو بھی فساد سے بچایا جائے۔

ہمارے تمام قائدین تعمیم (Generalization) کے جھوٹ میں مبتلا ہیں۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ وہ اس نازک مسئلہ کا سچا حل دریافت نہ کر سکے۔

تعمیم سے بچ کر خالص حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندستان دو ہندستان کا نام ہے۔ اسی طرح علی گڑھ بھی دو علی گڑھ ہے اور حیدرآباد بھی دو حیدرآباد۔ ایک ملک دو ملک کیسے بنا اور ایک شہر دو شہر کیوں کر ہوگیا۔ اسی سوال کے جواب میں یہ راز چھپا ہوا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کیسے ہوتے ہیں اور کس طرح ان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

ایک مقام کے ایک حصہ میں فساد ہو اور عین اسی زمانہ میں اس مقام کا دوسرا حصہ فساد سے بچا رہے تو ہم کو چاہئے کہ فساد کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے فساد نہ ہونے والے حصہ کا مطالعہ کریں اور وہاں فساد نہ ہونے کے اسباب کو جان کر اسی کو اس دوسرے حصہ میں رائج کریں جہاں فساد ہوا ہے۔ موجودہ حالات میں یہی فساد کے مسئلہ کے مطالعہ کا فطری طریقہ ہے اور یہی اس مسئلہ کے حل کی آسان ترین تدبیر بھی۔

شمالی ہندستان اور جنوبی ہندستان میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ "دوقومی" سیاست سب سے زیادہ شمالی ہندستان میں چلائی گئی۔ جب کہ جنوبی ہندستان کا علاقہ اس قسم کی تفریقی سیاست سے بڑی حد تک محفوظ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شمالی ہندستان میں فرقہ وارانہ کش مکش کی فضا پائی جاتی ہے۔ جب کہ جنوبی ہندستان میں اس قسم کی فضا تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح علی گڑھ کے شہری علاقہ اور سول لائن کے علاقہ میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ شہری علاقہ میں جاہلوں کی اکثریت ہے اور سول لائن میں تمام کے تمام پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ قدیم حیدرآباد اور جدید حیدرآباد میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ جدید حیدرآباد میں سب کے سب خوش حال لوگ بستے ہیں اور قدیم حیدرآباد میں کثرت سے غریب لوگ آباد ہیں۔

اس مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کے حالات میں فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے اور کس قسم کے حالات میں وہ نہیں ہوتا۔ اب فسادات کو ختم کرنے کی آزمودہ تدبیر یہ ہے کہ شمالی ہند میں جنوبی ہند کے مانند حالات پیدا کئے جائیں۔ مسلمان اپنی طرف سے ان تمام اسباب کو ختم کر دیں جو دونوں فرقوں میں کش مکش اور تناؤ کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً حقوق کے مطالبے، احتجاجی سیاست اور مسجد اور مندر

کے جھگڑے کھڑے کرنا وغیرہ۔ اسی طرح یہ کیا جائے کہ "قدیم شہر" میں "جدید شہر" کے حالات پیدا کئے جائیں۔ یعنی اقلیتی فرقہ کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ بنایا جائے۔ ان کی اقتصادیات کو بہتر بنانے کی کوششیں کی جائیں۔ انھیں چیزوں نے ملک کے ایک حصہ میں فساد کو روک رکھا ہے اور یہی چیزیں ملک کے دوسرے حصہ میں بھی فساد کو روک سکتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کوئی نیا حل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ اسی آزمودہ تدبیر کو فساد زدہ علاقہ میں بھی استعمال کریں جو غیر فساد زدہ علاقہ میں آج بھی فرقہ وارانہ فساد کے خلاف ڈاٹ بنی ہوئی ہے۔

ایک مثال

یہاں میں اضافہ کروں گا کہ فساد کے مسئلہ کا مذکورہ حل ہر شخص کو معلوم ہے۔ حتی کہ ہر شخص اس وقت اسی طریقہ پر عمل کرتا ہے جب کہ اس کا اپنا مفاد خطرہ میں پڑ گیا ہو۔ مگر وہی شخص جب ملت کے اسٹیج پر آتا ہے تو اس طرح پرجوش تقریر شروع کر دیتا ہے جیسے کہ ٹکراؤ اور مقابلہ کے سوا مسائل کا کوئی حل ہی نہیں۔

اس تضاد کی سادہ سی وجہ سستی قیادت کی تلاش ہے۔ زوال یافتہ قوم میں عمل کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ بڑے بڑے الفاظ بول کر اس کے پردہ میں اپنی بے عملی کو چھپاتے ہیں۔ ایسی قوم کے اندر قیادت اور مقبولیت حاصل کرنے کا سب سے آسان راز یہ ہوتا ہے کہ شاندار الفاظ بولے جائیں۔ شاعری اور خطابت کا دریا بہایا جائے۔ چنانچہ ہمارے تمام قائدین اسی قسم کے نمائشی الفاظ بولنے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ صرف سطحیت ہے اور سطحی قیادت ہمیشہ قوم کے لئے بہت مہنگی پڑتی ہے۔ کسی نے بالکل درست کہا ہے:

The cheaper the politician, the more he costs his country.

یہاں میں ایک مثال دوں گا۔ ہندستان کا ایک بین اقوامی شہرت رکھنے والا اسلامی ادارہ ہے۔ اس ادارہ کے ذمہ داروں نے ہندستان کی سیاست میں بزعم خود ایک قائدانہ رول ادا کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے مسئلہ کا یہ حل پیش کیا کہ وہ خطرہ مول لینے کی بہادری دکھائیں۔ اور اپنے حریف کو نقصان پہنچا کر اپنے لئے زندگی کا حق وصول کریں۔ انھوں نے کہا کہ قوموں کو کبھی یہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ دوسروں کو سبق سکھانے کے لئے اپنی اہلیت ضرر کا ثبوت دیں۔ ہندستان کے مسلمانوں کو یہی کرنا ہے۔ مسلمان جب تک یہ نہ دکھائیں کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اس وقت تک ملک میں ان کے لئے باعزت زندگی کا حق تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اس نقصان رسانی کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ ملک کے انتخابات (۱۹۶۷) میں اپوزیشن پارٹیوں کے

ساتھ مل کر حکمراں پارٹی (کانگریس) کو شکست دی جائے۔ یہ حل اتنا پسند کیا گیا کہ مسلمانوں کی بھیڑ کی بھیڑ اس کے پیچھے دوڑ پڑی اور ۶۷-۱۹۶۶ میں مذکورہ اسلامی ادارہ ہندستان کی مسلم سیاست کا مرکز بن گیا۔

یہ مذکورہ اسلامی ادارہ کا وہ حل تھا جو اس نے ملت کے مسائل کے لئے پیش کیا تھا۔ مگر اسی ادارہ میں اس کا اپنا مسئلہ پیدا ہوا تو اس کے لئے اس نے بالکل مختلف انداز اختیار کیا۔ ملّت کے مسئلہ کا حل ضرر رسانی میں تھا اور اپنے مسئلہ کا حل تالیف قلب میں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ عظیم اسلامی ادارہ ہندستان کے جس شہر میں واقع ہے وہیں ایک بڑی یونی ورسٹی بھی قائم ہے۔ یہ یونیورسٹی ادارہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا ایک ہوسٹل مذکورہ ادارہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔

یہ پڑوس اس اسلامی ادارہ کے لئے ایک مستقل مسئلہ تھا۔ یونی ورسٹی ہاسٹل کے لڑکے جو سب کے سب غیر مسلم تھے، مستقل طور پر اسلامی ادارہ کے لوگوں کو پریشان کرتے، وہ گالی دیتے، پتھر پھینکتے، مذاق اڑاتے اور طرح طرح کی دوسری حرکتیں کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی ادارہ کے لوگ مشتعل ہو کر جوابی کارروائی کریں تاکہ انھیں ادارہ کو جلانے اور پھونکنے کا موقع مل جائے۔

یہ صورت حال کئی سال تک باقی رہی۔ اس درمیان میں حکومت کے ذمہ داروں سے شکایات کی گئیں، پولیس بلائی گئی، مگر کسی طرح مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد درس گاہ کے ذمہ داروں نے ایک حکیمانہ تدبیر اختیار کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۹۷۴ میں پیش آیا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ادارہ کے ذمہ داروں نے پتہ لگایا کہ یونیورسٹی ہاسٹل کے لیڈر طلبہ کون ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے انھیں اپنے یہاں چائے پر بلایا گیا۔ ان سے نرم باتیں کی گئیں۔ ان کو تحفے پیش کئے گئے اور پھر یہ تجویز رکھی گئی کہ یونیورسٹی کے طلبہ اور ادارہ کے نوجوانوں کے درمیان ہاکی میچ ہو۔ تجویز منظور ہو گئی۔

اب اسلامی ادارہ کے ذمہ داروں نے یہ کیا کہ ادارہ کے ہوشیار کھلاڑیوں کی ایک ٹیم بنائی۔ اور ان کو پیشگی طور پر یہ سمجھا دیا کہ تم کو یہ میچ جیتنے کے لئے نہیں کھیلنا ہے بلکہ اس لئے کھیلنا ہے کہ تم ہار جاؤ۔ منصوبہ یہ تھا کہ بالقصد یونی ورسٹی کے طلبہ کو کھیل میں جتایا جائے تاکہ انھیں ہیرو بنانے اور ان کی تالیف قلب کرنے کا پورا موقع ملے۔

مقررہ تاریخ کو دونوں کے درمیان میچ ہوا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسلامی ادارہ کے نوجوان خراب کھیل کھیلے اور یونی ورسٹی ہاسٹل کے لڑکوں کو موقع دیا کہ وہ بہتر کھیل کھیل کر میچ جیتیں۔ چنانچہ

یہی ہوا اور یونیورسٹی کے طلبہ " شاندار طور پر " کامیاب ہو گئے۔ اب پیشگی منصوبہ کے مطابق ان کو خوب اچھالا گیا۔ مختلف طریقوں سے ان کی تالیف قلب کی گئی۔ ان کو دل کھول کر انعامات دئے گئے۔ ان کا پیر وانہ استقبال کیا گیا۔ وغیرہ

یونیورسٹی ہاسٹل کے طلبہ اپنی برتری چاہتے تھے۔ اسلامی ادارہ کے لوگوں نے اپنے مذکورہ عمل سے ان کے جذبات برتری کو پوری طرح تسکین دے دی۔ اب مسئلہ اپنے آپ حل تھا۔ یونی ورسٹی کے طلبہ نے اس کے بعد کبھی اسلامی ادارہ کے لوگوں کو پریشان نہیں کیا۔

مذکورہ واقعہ اپنی نوعیت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اپنے ذاتی معاملہ میں تالیف قلب کے اصول پر مسئلہ کو حل کرتے ہیں وہ ملت کے معاملہ میں اس کے برعکس تقریریں کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذاتی مسئلہ کو وہ حل کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ملت کے مسئلہ کو قیادت کے نقطہ نظر سے۔ ملت کے معاملہ میں اگر وہ اس اصول کی تلقین کریں تو ان کی قیادت اور مقبولیت اچانک ختم ہو جائے۔ ملت کے معاملہ میں اس تدبیر کو صرف قیادت کی قیمت پر پیش کیا جا سکتا ہے اور بدقسمتی سے ہمارے قائدین میں کوئی یہ حوصلہ دکھاتے کے لئے تیار نہیں۔

تاہم یہ یقینی ہے کہ اس مسئلہ کا دوسرا کوئی حل نہیں۔ اپنے ذاتی معاملہ میں آپ جس حکیمانہ تدبیر پر عمل کرتے ہیں اسی کو ملت کے معاملہ میں بھی اختیار کیجئے۔ اور اس کے بعد ملک میں کبھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوگا۔

حال میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک ایسے مقام سے آئے تھے جہاں ہولناک فساد ہوا تھا۔ اور تین دن کے اندر مسلمانوں کا کروروں روپیہ کا نقصان ہو گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں اس شہر میں پچھلے ۳۰ سال سے رہ رہا ہوں۔ مگر وہاں آج تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا جیسا اس بار تین دن کے اندر ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول وہ ایک خاص فرقہ کو برا بھلا کہنے لگے۔

میں نے کہا کہ آپ کے شہر میں تین دن کے اندر جو فساد ہوا اس کے بارہ میں تو آپ بہت کچھ سوچتے ہیں مگر یہ بھی تو سوچئے کہ اس سے پہلے ۳۰ سال تک فساد نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا۔ کیا تین دن کے واقعہ میں آپ کے لئے سبق ہے اور ۳۰ سال کے واقعہ میں آپ کے لئے کوئی سبق نہیں۔

پھر میں نے کہا کہ یہ کسی خاص فرقہ کی بات نہیں بلکہ ہر شخص اور ہر فرقہ کی بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے اندر ایک شیطان سویا ہوا ہے جس کا نام " غصہ " ہے۔ غصہ کے شیطان کو جب تک آپ سویا رہنے دیں آپ امن و امان کے ساتھ رہیں گے۔ مگر جب آپ کوئی نادانی کر کے اس شیطان کو جگا دیں تو پھر وہ اپنے

مقابل کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ سب کچھ کر ڈالنا چاہتا ہے جو اس کے بس میں ہے۔ یہ واقعہ آپ مسلم اور مسلم کے درمیان بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی۔

ایک لفظ میں یہی تمام فسادات کی جڑ ہے۔ فساد ہمیشہ غصہ اور انتقام کے جذبہ کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص خدا نے ایسا پیدا نہیں کیا جس کی عام حالت غصہ اور انتقام کی ہو۔ یعنی وہ ہر وقت بس غصہ اور انتقام سے بھرا رہتا ہو۔ غصہ اور انتقام وقتی کیفیات کا نتیجہ ہیں نہ کہ مستقل کیفیات کا نتیجہ۔ اگر یہی آدمی کی عام اور معمولی کیفیت ہوتی تو ہر وقت فساد ہوتا رہتا اور کبھی ایک دن کے لئے بھی امن و امان نظر نہ آتا۔ کجا کہ ۳۰ سال تک فساد نہ ہو۔

جاہلوں کی جہالت سے اعراض کرنے کا حکم جو اسلام میں دیا گیا ہے اس کی مصلحت یہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایسے موقع کو ٹالا جائے "اعراض" کا اسلامی اصول ہر قسم کے فساد سے بچنے کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر ہے۔ مگر اس تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنی سرکشی کو ختم کر کے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کا پابند بنائے۔ ورنہ وہ اپنی سرکشی کے تحت دوسروں کے انا کو جگا کر فساد کروائے گا۔ اور جب فساد ہو چکا ہو گا تو خود معصوم بن کر دوسروں کو برا بھلا کہنا شروع کر دے گا۔

داعی اور مدعو

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر خدا کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک عذاب متاصل۔ دوسرے عذاب تنبیہی۔ عذاب ستاصل یعنی قوموں کو بالکل برباد کر دینے والا عذاب زلزلہ اور طوفان کے ذریعہ آتا ہے (العنکبوت ۴۰) اور عذاب تنبیہی عام طور پر بندوں کے ذریعہ یعنی ایک قوم کو دوسری قوم پر چڑھا دینا اور اس طرح انسانوں کے ہاتھوں انہیں سزا دلانا (بنی اسرائیل ۵)

قدیم زمانہ میں یہود پر جو عذاب آئے ان کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کے سب اس طرح آئے تھے کہ کوئی سرکش قوم یا کوئی ظالم حکمراں یہود کے اوپر مسلط ہو گیا۔ اور وہ ان کی آبادیوں کو اور ان کے مقدس مقامات کو برباد کرتا رہا۔

تنبیہی سزا

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو صورت حال پیش آر ہی ہے وہ اسی دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ یقینی طور پر تنبیہی عذاب ہے۔ مگر چونکہ بظاہر وہ انسانوں کے ذریعہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اس لئے مسلمان اس کو کسی قوم یا کسی حکمراں کی طرف منسوب کر کے اس کو انسانی ظلم کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جو واقعہ خدا کی طرف سے پیش آر ہا ہے اس کو انسانی واقعہ ثابت کرنے میں مشغول ہیں۔

یہ طرز فکر نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ مسئلہ کو حل کرنے میں مزید رکاوٹ ہے۔ اس کی وجہ سے تمام مسلم قائدین کی ساری توجہ " ظالموں " کے خلاف چیخ پکار میں لگی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ان کا سبب خدائی فریضہ سے غفلت میں ہے تو خدائی فریضہ کی ادائیگی ہی سے ان کا خاتمہ ہوگا نہ کہ مفروضہ ظالموں کے خلاف شور وغل کرنے سے۔

مسلمانوں کا مسئلہ اس وقت ساری دنیا میں صرف ایک ہے —— ان کو ان کی مدعو اقوام کے ہاتھوں ستایا جا رہا ہے۔ گویا کہ وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ تم ہماری آخرت کو برباد کر رہے ہو تو ہم تمہاری دنیا کو برباد کریں گے۔ یہ یقینی طور پر مسلمانوں کی دعوتی غفلت کے نتیجہ میں ہو رہا ہے۔ دوبارہ اس صورت حال کا خاتمہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمان اپنی دعوتی غفلت کو ختم کریں۔ وہ اقوام عالم کے سامنے خدا کے دین کے داعی بن کر کھڑے ہوں۔ جب تک وہ ایسا نہ کریں گے کوئی بھی دوسری

تدبیر ان کے مسائل کو حل کرنے والی ثابت نہیں ہوسکتی۔

دعوت سے حفاظت

خدا نے جو رسول بھیجے سب اس لئے بھیجے کہ وہ لوگوں کو خدا کے تخلیقی منصوبہ سے اچھی طرح آگاہ کر دیں۔ تاکہ قیامت میں کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی (النساء ۱۶۵)۔ یہی دعوت الی اللہ یا شہادت حق پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن تھا۔ اور ختم نبوت کے بعد یہی وہ خاص مشن ہے جس کے لئے امت محمدی قیامت تک کے لئے مامور ہے (الحج ۷۸)

کسی بھی شخص یا گروہ کی جو اصل حیثیت ہو وہی وہ چیز ہے جس سے اس کی قسمت وابستہ ہوتی ہے۔ قرآن میں واضح لفظوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے (اور آپ کی تبعیت میں آپ کی امت سے) کہا گیا ہے کہ لوگوں کے مقابلہ میں تمھاری حفاظت کا سارا معاملہ اسی عمل دعوت کی ادائگی سے وابستہ ہے:

یا ایہا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (المائدۃ ۶۷)

اے رسول، جو تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے اسے پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: ای بلغ انت رسالتی وانا حافظک وناصرک ومویدک علی اعدائک ومظفرک علیہم فلا تخف ولا تحزن فلن یصل احد منہم الیک بسوء یوذیک۔ یعنی تم میرے پیغام کو پہنچاؤ اور میں تمھارا محافظ ہوں اور تمھارا مدد کرنے والا ہوں اور تمھارے دشمنوں کے مقابلہ میں تمھاری تائید کرنے والا ہوں اور ان پر فتح دلانے والا ہوں۔ تم نہ ڈرو اور نہ اندیشہ کرو۔ ان میں سے کوئی شخص تم تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ تم کو تکلیف دے۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے نزدیک اہل ایمان کی قیمت صرف اس وقت ہے جب کہ وہ دنیا کی قوموں تک خدا کا بے آمیز پیغام پہنچانے کا کام کر رہے ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ ان کو مخالفین کے ظلم وستم کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ تبلیغ ما انزل اللہ کا کام ان کے لئے عصمت من الناس کی ضمانت بن جائے گا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دعوت حق کو چھوڑنے کے بعد وہ خدا کی نظر میں بے قیمت ہو جائیں گے اہل ایمان اگر کسی وقت دیگر اقوام کے ظلم وستم کا شکار ہونے لگیں تو اس کی براہ راست وجہ یہ ہوگی کہ خدا کی حفاظت ان سے اٹھ گئی ہے۔ اور حفاظت کے اٹھنے کا سبب یقینی طور پر یہ ہوگا کہ انھوں نے دعوت الی اللہ کے کام کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ صورت حال آج نہ صرف ہندستان کے مسلمانوں پر بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر صادق آتی ہے۔ آج ساری دنیا کے مسلمان دوسری قوموں کے ظلم اور لوٹ کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ واقعہ کہیں براہ راست، ہو رہا ہے اور کہیں بالواسطہ۔ کہیں ان کے دشمن ان کو خود اپنی طاقت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔ اور کہیں انھوں نے مسلمانوں کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور پھر ایک کے مقابلہ میں دوسرے کو مدد دے کر دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وہ وقت آگیا ہے جس کی پیشین گوئی ابو داؤد کی ایک روایت ان الفاظ میں کی گئی تھی:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلة الی قصعتها۔ فقال قائل ومن قلة نحن یومئذ۔ قال انتم کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل۔ ولینزعن الله من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوهن۔ قال قائل یا رسول الله وما الوهن قال حب الدنیا وکراهیة الموت،
(مشکوٰۃ المصابیح، باب تغیر الناس)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ قومیں تمھارے اوپر ٹوٹ پڑیں جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر ٹوٹتے ہیں۔ کسی نے کہا کیا اس وقت ہم تھوڑے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تم بہت زیادہ ہوگے مگر اس وقت تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے۔ اللہ تمھارے دشمنوں کے سینہ سے تمھارا ڈر نکال دے گا اور تمھارے دلوں میں وہن (کمزوری) ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ وہن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔

دعوتی غفلت

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا دوسری قوموں کا تختۂ مشق بننا اتنا زیادہ ثابت شدہ ہے کہ اس کے بارے میں دو رائے ممکن نہیں۔ البتہ اس کے سبب کے بارہ میں مسلمانوں کی دو رائیں ہیں۔ ان کی بڑی تعداد ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ سب کچھ صرف دوسری قوموں کا ظلم ہے۔ چنانچہ ان کے زبان و قلم ظالموں کے خلاف احتجاج اور شکایت میں مشغول ہیں۔ مگر اس قسم کی توجیہہ قرآن کی تردید کے ہم معنی ہے۔ قرآن کے نظریۂ تاریخ کو رد کرنے کے بعد ہی ایسی توجیہہ کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کو مانتے ہوئے اس کو قبول کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صورت حال دیگر قوموں کا ظلم نہیں، وہ دیگر قوموں کے ہاتھوں خدا کی سزا ہے۔ یہ سزا (یا تنبیہہ) اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مسلمان اپنا اصل منصبی فریضہ (دعوت

الی اللہ) کے لئے نہ اٹھیں۔

موجودہ زمانہ میں دعوت الی اللہ کے کام کو مسلمانوں نے بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ حتی کہ آج شاید دنیا بھر میں چند آدمی بھی نہیں جن کو دعوت الی اللہ کی اہمیت کا واضح شعور حاصل ہو۔ ان کی بڑی تعداد کا یہ حال ہے کہ یا تو وہ دعوتی کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یا وہ خود جس قومی یا تہذیبی احیاء کے لئے سرگرم ہیں اسی کو انھوں نے اسلامی دعوت کا نام دے دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آج بھی بہت سے خدا کے بندے اپنے آپ کو اسلام کے سایہ رحمت میں داخل کر رہے ہیں۔ مگر اس میں مسلمانوں کی دعوتی کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ یہ وہ سعید روحیں ہیں جن کو خدا کے فضل خاص سے قبول حق کی توفیق ملی۔ انھوں نے بطور خود صراط مستقیم کو پالیا نہ کہ مسلمانوں کی کوشش سے۔

اس دعوتی غفلت کے ساتھ دوسرا سنگین جرم یہ ہے کہ مسلمان ساری دنیا میں اپنی مدعو اقوام سے سیاسی اور مادی لڑائی چھیڑے ہوئے ہیں۔ اس طرح انھوں نے مدعو کو حریف اور رقیب بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ یہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا ناقابل معافی جرم ہے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ خدا کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہو تو انھیں یک طرفہ طور پر وہ تمام جھگڑے ختم کرنے ہوں گے جنھوں نے مدعو اقوام کو حریف اقوام میں تبدیل کر دیا ہے۔ دوسری قوموں سے حریف اور رقیب کا رشتہ ختم کر کے اپنے اور ان کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ بحال کرنا اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے۔ اس کے بغیر امت مسلمہ کے لئے کسی حقیقی مستقبل کی تعمیر ممکن نہیں۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں سے سب سے بڑی چیز جو کھوئی گئی ہے وہ دعوتی ذہن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس کو بالکل بھول گئے ہیں کہ غیر مسلم اقوام ہماری مدعو ہیں اور ہم ان کے داعی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ بربادی کے جو واقعات پیش آ رہے ہیں وہ سب اسی غفلت کی قیمت ہیں۔ یہ واقعات اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک مسلمان اپنی اس کوتاہی کو جاری رکھیں۔ دعوتی کوتاہی اور ملی ترقی دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

نفسیاتی پہلو

فلیویس جوزفس کوک (Flavius Josephus Cook) کا قول ہے کہ خدا تجارت کو اپنا مبلغ بناتا ہے:

God is making commerce his missionary

یہ اس نفسیات کا نہایت صحیح اظہار ہے جو ایک داعی کے اندر اپنے مدعو کے لئے پیدا ہوتی

ہے۔ داعی کے اندر اپنے مدعو کے لئے وہی احساسات پیدا ہوتے ہیں جو ایک تاجر کے اندر اپنے خریدار کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تاجر کی نفسیات تجارتی مفاد کے لئے ہوتی ہے اور داعی کی نفسیات دعوتی مفاد کے لئے۔

داعی اگر واقعتہً داعی ہو، وہ قومی وکیل یا مذہبی مناظر نہ ہو تو بالکل فطری طور پر اس کے اندر اپنے مدعو کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے اندر یہ مزاج پرورش پاتا ہے کہ وہ اس سے حکمت اور صبر کے ساتھ معاملہ کرے ویسے ہی جیسے ایک دانش مند تاجر اپنے گاہک سے معاملہ کرنے میں ضروری سمجھتا ہے کہ وہ کسی حال میں حکمت اور صبر کا طریقہ نہ چھوڑے۔ تاجر کا رویہ اپنے گاہک کے حق میں گاہک کے رویہ کے ردعمل کے طور پر نہیں بنتا۔ بلکہ خود اپنے سوچے سمجھے ہوئے فکر کے تحت بنتا ہے۔ وہ یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو حسن سلوک کا پابند بناتا ہے، خواہ گاہک اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے یا نہ کرے۔ ٹھیک یہی طریقہ داعی کا بھی اپنے مدعو کے حق میں ہوتا ہے۔

مسلمان اگر دوسری قوموں کو اپنا مدعو سمجھیں تو اس کے بالکل لازمی نتیجہ کے طور پر یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو دوسری قوموں کے حق میں "ناصح اور امین" سمجھیں گے۔ ان کے دل میں دوسری قوموں کے لئے خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ وہ ان کی طرف سے پیش آنے والی تلخیوں کو بخوشی برداشت کریں گے۔ وہ یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار سمجھیں گے کہ ان کی اشتعال انگیز حرکات کو نظر انداز کریں تاکہ دعوت کی فضا برباد نہ ہونے پائے۔

دوسری اقوام کو اپنا مدعو سمجھنے کے بعد ان کی نسبت سے مسلمانوں کے اندر وہی نفسیات پیدا ہوگی جو ایک دانش مند تاجر کے اندر اپنے خریدار کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان ان کے حق میں دعائیں کریں گے۔ وہ ان کی تالیف قلب کے لئے کوشاں ہوں گے۔ وہ ان کی ہدایت کے حریص بن جائیں گے جس طرح پیغمبر اپنے مدعو کے ایمان کے لئے حریص تھا۔ ان کے اندر اشتعال کے بجائے برداشت کا مادہ پیدا ہوگا۔ اس نفسیات اور کردار کا ثبوت دینے کے بعد ان کے حق میں وہ شاندار نتیجہ برآمد ہوگا جس کی قرآن میں خوش خبری دی گئی ہے۔

دشمن دوست بن جاتا ہے

قرآن کی سورہ نمبر ۴۱ (حم سجدہ) کی تین آیتیں اس معاملہ میں رہنما حیثیت رکھتی ہیں۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

اور بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہو سکتی۔ جواب وہ دو جو اس سے بہتر ہو۔ پھر یکایک

تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی قریبی دوست۔ اور یہ بات انھیں کو ملتی ہے جو صبر والے ہیں اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جس کی بڑی قسمت ہے۔ اور اگر تجھ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ پکڑو۔ بے شک وہ سننے والا ، جاننے والا ہے (حم سجدہ ۳۶ - ۳۴)

ان آیات کی تشریح میں دو تفسیروں کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے :

(ولا تستوی الحسنة و لا السیئة) ای فرق عظیم بین هذه و هذه (ادفع بالتی هی احسن) ای من اساء الیك فادفعه عنك بالاحسان الیه کما قال عمر رضی الله عنه: ما عاقبت من عصی الله فیك بمثل ان تطیع الله فیه (فاذا الذی بینك و بینه عداوة کانه ولی حمیم) وهو الصدیق ای اذا احسنت الی من اساء الیك قادته الحسنة الیه الی مصافاتك و محبتك و الحنو علیك حتی یصیر (کانه ولی حمیم) ای قریب الیك من الشفقة علیك والاحسان الیك (وما یلقاها الا الذین صبروا) ای وما یقبل هذه الوصیة ویعمل بها الا من صبر علی ذالك فانه یشق علی النفوس - (وما یلقاها الا ذو حظ عظیم) ای ذو نصیب وافر من السعادة فی الدنیا والاخرة۔ قال ابن عباس فی تفسیر هذه الآیة : امر الله المؤمنین بالصبر عند الغضب والحلم عند الجهل والعفو عند الاساءة۔ فاذا فعلوا ذالك عصمهم الله من الشیطان وخضع لهم عدوهم کانه ولی حمیم۔

مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۲۶۳

قال ابن عباس : ادفع بحلمك جهل من یجهل

اور حسنہ اور سیئہ برابر نہیں ہو سکتے، یعنی اِس کے اور اُس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ احسن طریقہ سے دفع کرو، یعنی جو شخص تمہارے ساتھ برا سلوک کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کے تم اس کا جواب دو ، جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ؛ جو شخص تمہارے ساتھ خدا کی نافرمانی کرے اس کا سب سے اچھا بدلہ یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو۔ پھر تمہارے ساتھ جس کی عداوت ہے وہ قریبی دوست کی طرح ہو جائے گا، یعنی جب تم ایسا کروگے کہ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ تم اچھا سلوک کروگے تو تمہاری اچھائی اس کے اندر محبت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ تمھارا دوست اور تمھارا مہربان بن جائے گا۔ اور اس کو صرف نصیبہ والے پاتے ہیں، یعنی جو دنیا اور آخرت میں بڑے خوش قسمت ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ غصہ کے وقت صبر کریں، جہالت کے وقت برداشت کریں، اور برائی کے وقت معاف کر دیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچا لے گا اور ان کے دشمن کو پست کر کے ان کا دوست بنا دے گا۔

عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو شخص تمہارے ساتھ

عليك (تفسير القرطبی)

(وإما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله) ای وإن وسوس اليك الشيطان بترك ما امرت به من الدفع بالتی هی احسن واراد ان يحملك علی البطش والانتقام فاستعذ بالله من كيده وشره (انه هو السميع العليم) ای هو السميع لاقوال العباد، العليم بافعالهم واحوالهم

صفوة التفاسير، جلد ثالث، صفحہ ۱۲۳

جہالت کرے اس کے جہل کا مقابلہ تم برداشت سے کرو۔

اور جب شیطان تمھیں اکسائے تو اللہ سے پناہ مانگو، یعنی احسن طریقہ سے دفع کرنے کا حکم جو تمھیں دیا گیا ہے، اگر شیطان تمھیں اس کو چھوڑنے کے لئے ابھارے اور تم کو اکسائے کہ پکڑو اور انتقام لو تو شیطان کے دھوکے اور شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اللہ یقیناً بندوں کے کلام کو سنتا ہے اور وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ دوسری قوموں کی طرف سے جو کچھ پیش آرہا ہے۔ اس کی وجہ ایک لفظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں نے برداشت کو کھو دیا ہے۔ یہ دراصل اپنی بے صبری کی قیمت ہے جس کو آج مسلمان بھگت رہے ہیں۔ صبر اور برداشت کھونے کا سبب یہ ہے کہ داعیانہ مقصد ان کے سامنے نہیں رہا۔ مسلمانوں کو اگر دوبارہ اٹھانا ہے تو ان کو اس کے لئے تیار کرنا ہوگا کہ وہ دعوت کو اپنا مقصد حیات بنائیں۔ اس کے بعد ہی ان کے اندر وہ محرک پیدا ہوگا جو آدمی کو بلند حوصلہ اور بلند کردار بناتا ہے۔ اور جو قوم بلند حوصلہ اور بلند کردار ہو اس کو کوئی بھی چیز شکست نہیں دے سکتی۔

مسلمانوں کو اگر داعی گروہ کی حیثیت سے اٹھایا جاسکے تو ان کے اندر اپنے آپ حکمت اور صبر کی وہ صفات پیدا ہو جائیں گی جو گویا ہر قسم کے فساد کی قاتل ہیں۔ دعوت الی اللہ کے لئے اٹھنا اپنے آپ کو آخرت کی پکڑ سے بچانا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی پکڑ سے بچانا بھی۔